خطباتِ عثمانی

معمارِ حرم باز بتعمیرِ جہاں خیز

اقبالؒ

کشمیر
صوبۂ سرحد
پنجاب
راجپوتانہ
صوبجات متحدہ
بہار
بنگال
برما
صوبجاتِ متوسط
اوڑیسہ
بمبئی
ریاست حیدرآباد
مدراس

از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

جانشین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

"ہمارا پاکستان"

خطبۂ صدارت

صوبہ پنجاب جمعیۃ علمائے اسلام کانفرنس لاہور

منعقدہ

۲۵-۲۶-۲۷ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء مطابق ۲۰-۲۱-۲۲ صفر سنہ ۱۳۶۵ھ

از

شیخ الاسلام امام الہند حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی
مفسر قرآن مدظلہ العالی ——— جانشین شیخ الہند حضرت
مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

2-0-0

کتب خانہ

ملنے کا پتہ

ہاشمی بکڈپو۔ بازار سریانوالہ۔ لاہور

تاجر کتب اصحاب براہِ راست ہاشمی بکڈپو لاہور سے
خط و کتابت کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیّد الانبیاءِ والمرسلین وعلیٰ اٰلہ وصحبہٖ اجمعین ط

اما بعد۔ آپ نے اپنے حسن ظن کی بنا پر جمعیۃ علمائے اسلام کی اس پہلی صوبائی کانفرنس کا صدر تجویز فرما کر مجھے جو عزت بخشی، اللہ تعالیٰ اس کی لاج رکھ لے۔ آپ کے نیک گمان کو میرے حق میں اپنی قدرتِ کاملہ سے سچّا کر دکھائے۔ اور ایک ادنےٰ خادمِ دین کی قدر افزائی کا صلہ دین و ملت کی کسی عظیم فلاح و کامرانی کی صورت میں سب کو مرحمت فرمائے۔ بس یہی میری متضرعانہ دعا اور یہی میری طرف سے آپ کا مخلصانہ شکریہ ہے۔ کیا میرے بھائی اس پر قناعت کرینگے؟

میں جلسوں کے آداب و حقوق اور منصب صدارت کے فنی رسوم و فرائض سے نہ پوری طرح واقف ہوں نہ اپنی افتاد طبیعت سے اُنکے انجام دینے کی صلاحیّت و قدرت رکھتا ہوں۔ اس لئے اگر میں آپ کے تخمینہ یا عصری معیار کے مطابق کوئی خطبہ پیش نہ کر سکوں تو مجھے معذور سمجھیے۔

میرا مشورہ تو دوسروں کے لئے بھی یہی ہے۔ کہ اب ہم مسلمانوں کے پاس اپنے قومی جہاز کو شدید ترین خوفناک گرداب بلا سے نکالتے ہوئے اتنا فضول وقت نہیں بچنا چاہیئے۔ جس میں اہم اور ضروری مقاصد کو چھوڑ کر ہم محض اپنی علمی قابلیّت کا اظہار اور رسمی و زبانی شکریوں کی نمائش کیا کریں۔

علماء و مشایخ کے فرائض منصبی:- ہم مسلمانوں اور خصوصاً علمائے امّت کو اپنی مجالس عامّہ و خاصّہ میں تتبع کرنا چاہیئے قرونِ اولیٰ کی سادہ اور بے لوث مجالس کا۔ ان کی مختصر مگر پُر مغز تقریروں اور طویل و عریض سلسلۂ عمل کا۔ ان کی مشاورت اور تبادلِ آراء و افکار کے بہترین اصول کا۔ ان کی نہایت ہی مخلصانہ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا۔ ان کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا۔ اور اصلاح ذات البین کی مفید و منتج گفتگوؤں کا۔ غرضیکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس مطرد و منعکس ارشاد پر ٹھیک ٹھیک عمل پیرا ہونے کا۔

لا خیر فی کثیر من نجواھم
الا من امر بصدقۃ او معروف
او اصلاح بین الناس...

ان کی اکثر مجالس میں کوئی بھلائی نہیں بجز
اس شخص کے جو امر کرے خیرات کا یا کسی اچھی
اور معقول بات کا یا اصلاح ذات
البین کا۔

حضرت عثمان کا تاریخی فیصلہ :- اے حضرات علماء کرام! میں نہ کوئی خطیب ہوں نہ انشاپرداز، نہ سیاست دان، اور نہ گویائی کی ایسی ممتاز قوت رکھتا ہوں جس سے دوسرے حضرات محروم ہوں۔ بلکہ اگر آپ مجھے مجبور نہ کریں تو اس سے زیادہ ایک لفظ بھی نہیں بولنا چاہتا جو میرے جدّ بزرگوار خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے ممبر پہ فرمایا تھا۔ کہ

ایھا الناس انکم الی امام فعال احوج منکم الی امامِ قوّال ۔	اے لوگو! یقیناً تم کو زیادہ کلام کرنیوالے رہنما سے بڑھ کر بہت زیادہ کام کرنیوالے رہنما کی ضرورت ہے۔

مگر جب آپ حضرات نے محض اپنی مہربانی اور حسن ظن سے مجھے اس مقام پر کھڑا ہونے کے لئے مامور فرمایا ہے تو میرا فرض ہے کہ اپنی اور آپ کی بلکہ تمام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے مسلمانوں کی صلاح و فلاح سے متعلق نظر بحالاتِ موجودہ جو میرے ناچیز خیالات ہیں وہ مختصراً بلا کم و کاست آپ کے سامنے رکھ دوں۔

میں آج "زندہ دلان پنجاب" کے ماحول میں اپنے اندر بھی ایک قسم کی زندہ دلی محسوس کرتا ہوں۔ اور مجھے امیّد ہے کہ پاکستان کے قلب و جگر سے جو صدائے حق بلند ہوگی اس کی گونج اخوّۃ اسلامی کی عروق و شرائین

کے ذریعہ بہت تیزی کے ساتھ تمام جسد پاکستان بلکہ ملک ہند کے تمام اعضاء میں پھیل جائے گی۔ اس وقت پورا حوالہ مجھے یاد نہیں رہا۔ لیکن پورے جزم و وثوق کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمتہ اللہ نے اپنی کسی تحریر میں ازراہ کشف ارشاد فرمایا تھا کہ آج کل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ یا نظر التفات شہر لاہور پر مرتکز ہے۔

رسول اکرم محمد صلعم کی نظر کرم :۔ میں سوچتا ہوں کہ لاہور کے حق میں کیا اس محبوب خدا اور آقائے دوجہاں کی وہ نظر کیمیا اثر خالی جا سکتی ہے؟ وہ نگاہ لطف و کرم جس کی ایک معمولی جھپک ہزار سالہ بت پرست کو ایک آن میں ولی کامل بنا دے۔ جو مدّت کے بگڑے ہوئے شیطانوں کو ایک لمحہ میں درست اور پاک و صاف بنا کر فرشتوں کے زمرے میں شامل کر دے۔ جو ذرا سی دیر میں قلوب و ارواح کی دنیا بدل ڈالے۔ ملکوں اور قوموں کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ کیا چند صدیوں کی مسافتِ زمانی نے لاہور کے مستقبل کو اس انقلاب آفریں نگاہِ تلطف کی عظیم تاثیر و تصرف کے فیض سے بالکلیہ محروم کر دیا ہو گا؟ ہرگز نہیں ان کی شان تو یہ ہے ؎

دُرفشانی نے تری قطرونکو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھونکو بینا کر دیا

جو نہ تھے خود راہ پر دنیا کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

غور کیجئے "مُردے" اس نظر سے صرف "زندہ" نہیں ہوئے بلکہ مسیحا بن گئے۔ جن کی مسیحائی سے کروڑوں مردہ دلوں کو حیاتِ تازہ حاصل ہوئی۔

حضرت شیخ مجددؒ کا نعرۂ حق:۔

یہ چیز بھی لائق غور ہے کہ شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ (جن کو لاہور کی یہ سعادت مکشوف ہوئی) وہ ہی بزرگ ہیں جنہوں نے اکبر بادشاہ کی بنائی ہوئی "قومیت متحدہ" اور نام نہاد دین الہٰی کے مقابلہ پر تاریخی جہاد کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے مذکورہ بالا کشف سے اِدھر بھی اشارہ ہو کہ آگے چل کر جب قومیت متحدہ ایک دوسرے رنگ میں اور اکبر کا دین الہٰی گاندھی ازم کی شکل میں ظہور کرے گا۔ اس وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ گرامی اور التفاتِ خصوصی کی بدولت لاہور ہی وہ مقام ہوگا۔ جہاں سے ان نئے بتوں کے توڑنے کی پہلی آواز بلند ہوگی، پھیلے گی، پھلے گی اور پھولے گی۔

حضرت شیخ الہند کا آخری پیغام:۔

بہر حال آج اس نئی مہم کا ابتدائی منظر ہمارے سامنے ہے۔ "جداگانہ قومیت" کا عقیدہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے جذر قلوب

میں بطور ایک مفروضہ مسئلہ کے مرتسم و متمکن ہے اور کانگریس کے چند سالہ شور و غل سے پہلے کوئی اس پر نظر ثانی کی ضرورت بھی نہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کے آخری پیغامِ صدارت میں جو جمعیتہ علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر حضرت کی وفات سے نو دن پہلے پڑھا گیا۔ ہندو مسلمان کے دو قوم ہونے کی تصریح موجود ہے۔ کسی شخص نے آج تک اس پر حرف گیری نہیں کی۔

ہاں ہندوستان کے مسئلہ کا پاکستانی حل ابتداءً لاہور کی آرام گاہ میں سونے والے ڈاکٹر اقبال مرحوم کے قلم سے ۱۹۳۰ء میں سامنے آیا۔ لیکن یہ نام "پاکستان" علامہ اقبال کا تجویز کردہ نہیں۔ بلکہ پیامِ اقبال کے ایک پُر جوش علمبردار چودھری رحمت علی صاحب نے ۱۹۳۳ء میں اس تجویز کو یہ نام دیا ہے۔ جو آگے چل کر اختصار کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہو گیا۔ تقسیم ہند کی اس تجویز پر جس کا اصطلاحی نام پاکستان ہے اور جس کا اصل واضع علامہ اقبال مرحوم ہے آخر کار قدرے ترمیم و تغیر کے ساتھ آپ کے اس تاریخی شہر لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ نے مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اور آج پاکستان جمہور مسلمانان ہند کے لئے محض ایک گرمی اور جوش پیدا کرنے والا نعرہ نہیں بلکہ ایک مضبوط اور اٹل سیاسی عقیدہ کی حیثیت رکھتا

ہے۔ اب پاکستان کا نام آنے پر اُن کے دلوں میں جذبات مسرت و ابتہاج کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور وہ یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ہمارا درخشاں مستقبل گویا ہماری طرف کو تیزی سے بڑھا چلا آرہا ہے۔ مسلمان جب اپنے نصب العین کے متعلق یہ یقین حاصل کر لے اور مطمئن ہو جائے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ صاف، واضح، غیر مبہم اور بے غبار ہے۔ تو اس کے حصول کے لئے اسے کوئی قربانی بھاری نہیں معلوم ہوتی۔ وہ آگ کے طوفان سے کھیلنے اور خون کے دریا میں کودنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ کسی دھمکی کو خاطر میں نہیں لاتا اور ولبھ پٹیل جیسے ناعاقبت اندیش مدعیوں کے چیلنج کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ منظور کرتا ہے۔

دورِ جاہلیت کی تاریکیاں:۔

حضرات! اب ذرا آپ تیرہ سو اٹھتر برس پیچھے لوٹ جائیے، دیکھئے۔ دنیا کی فضا کس قدر بھیانک اور کیسی تاریک نظر آرہی ہے۔ ہر جگہ ظلم و ستم، کفر و شرک، عصیان و طغیان، جبر و استبداد، وحشت و بہیمیت اور شیطانی طاقتوں نے کس طرح پرے جما رکھے ہیں۔ امن و اطمینان کی ایک کرن بھی

کسی طرف نظر نہیں آتی، تیرہ و تار گھٹاؤں نے دن کو رات بنا دیا ہے۔ ان ہی خوفناک اندھیریوں میں دفعتہً مکّہ کی پہاڑیوں پر ایک چمک دکھائی دی۔ رحمت کا بادل زور سے گرجا اور کڑکا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جبل النور کی چوٹی سے دنیا کا ہادی اور شہنشاہ اکبر کا پیغام بر اعظم چمکتا ہوا اور گرجتا ہوا بارانِ رحمت کو ساتھ لیے نزول اجلال فرما رہا ہے۔ اللہم صل علی سیدنا محمدٍ وعلیٰ آل سیدنا محمد
الف الف صلوٰۃ وسلام

سرورِ عالم کی تعلیمات:۔

تھوڑی سی مدت گزری کہ مکّہ کی فضا میں بہت عجیب وغریب تغیر پیدا ہونا شروع ہوا۔ ایک طرف سے رحمۃ للعالمین کا دستِ شفقت دراز تھا اور دوسری جانب اس کا جواب ہرزہ سرائیوں، دشنام طرازیوں بلکہ بعض اوقات اینٹ اور... پتھر سے دیا جا رہا تھا۔ نور و ظلمت کی اس کشمکش میں حضورِ انورؐ کے ساتھ جو چند سعید روحیں آپ کے پیغام کی حقیقت کو سمجھ چکی تھیں، دشمنوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنتی رہیں۔ رشد و ہدایت کے اس سراج منیر

کو جس قدر اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کی جاتی اسی قدر زور سے اس کی روشنی بھڑکتی تھی۔ آپ برابر اس قوم کو سمجھایا کیئے کہ تمہارے لیئے دارین کی کامیابی اور فلاح میری پیروی میں ہے۔ آؤ۔ کہ دنیا کی حکومت اور آخرت کی سعادت کا تاج تمہارے سروں پر رکھدوں۔ مگر وہ کچھ ایسے غفلت کے نشہ میں سرشار تھے کہ آپ کی ساری دردمندی اور نیک خواہی کا جواب متمردانہ استکبار اور ناشائستہ سب وشتم سے دیتے رہے۔ آپ کے جان نثار اصحاب پر جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے ایمان وعرفان کے لیئے کھول دیئے تھے جوروستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مدتِ دراز تک ایسے ایسے زہرہ گداز مظالم سے ان کو دوچار ہونا پڑا جن کی مثال شائد کسی امت کی تاریخ میں نہ مل سکے۔ مسلسل تیرہ سال تک ایسے سخت امتحان وآزمائش کی چکی میں پستے رہے۔ جس کے پڑھنے اور سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک عرصہ تک قوم کی طرف سے ایسا سخت بائیکاٹ کیا گیا۔ کہ درختوں کے پتے اور جنگل کی گھاس کھانے کی نوبت آگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اور مقدس نصب العین یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر

اللہ کی حکومت قائم فرمائیں اور اس کے نائب السّلطنتہ کی حیثیت سے اس کا آخری ابدی اکمل اور عالمگیر قانون نافذ کریں۔

لیکن مکّہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا، ایسا موقعہ کہاں میسّر تھا۔ آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز و مستقر کی ضرورت تھی۔

یثرب کا پاکستان :۔

کوئی ایماندار آدمی اس حقیقت سے انکار نہیں، کرسکتا کہ اگر خداوند قدیر چاہتا تو ان ہی مٹھی بھر مظلوم و مجبور مسلمانوں کو ان سب پر غالب کر دیتا۔ اور ان کے دشمنوں کو دفعتہً کچل کر تباہ کر ڈالتا۔ مگر حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ تھا۔ کہ امّتِ مرحومہ ہر قدم پر اس عالم اسباب کے محکم نظام کے ماتحت اپنے نبی سے سبق حاصل کرے۔ اور زندگی کے ہر ایک روشن یا تاریک دور میں اپنے مستقبل کی تعمیر کا کام سیکھے۔

اس لئے اس ناسازگار فضا میں سیاست و حکمت کا ایک نیا باب کھولا گیا۔ یعنی یہ کہ اسلام کے لئے مکّہ سے

ہٹ کر (جو اس وقت دار الحرب تھا) کوئی ایسا مأمن و مسکن بنائیں جو اگرچہ ابتداءً مکمل طور پر دار الاسلام نہ کہلایا جا سکے تاہم اسلام وہاں آزاد ہو اور کم از کم اپنے پیروؤں پر اپنا قانون بے روک ٹوک نافذ کر سکے۔ پھر جب تائیدِ ربّانی سے مسلمانوں کا وہ آزاد مرکز دائرۂ اسباب میں مضبوط اور طاقتور ہو جائے (خواہ وہ کتنا ہی محدود پیمانہ پر ہو) تو اس مرکز سے اسلام کو اپنے اصلی عزائم کے فروغ اور وسعت دینے کا موقعہ مل سکے۔ اسی نقطۂ نگاہ کے ماتحت شہر یثرب کو (جو حضور کی تشریف آوری کے بعد مدینۃ النبی بن گیا) مرکز توجّہ بنایا گیا۔ ہجرت سے پہلے وہاں کی زمین ہموار کی گئی۔ اور حضور اکرم کی تشریف بری سے پہلے بہت سے چیدہ و برگزیدہ اصحاب کو وہاں بھیجا گیا تاکہ اللہ کے سب سے بڑے نائب کی حکومت قائم کرنے کے لئے (جس سے ساری روئے زمین پر قرآنی سیاست اور آسمانی حکومت کا صور پھونکا جانے والا تھا) راستہ صاف کریں۔

پاکستان اولیٰ کی فتوحات:۔

مکہ کے رہنے والے دشمن بھی اس نتیجہ سے غافل نہ

تھے۔ انہوں نے ہر طرح اس تحریک کو ناکام بنانے کی کوشش کی مگر وہ خود ناکام رہے۔ اور مشیئۃ الٰہیہ کے زبردست ہاتھ نے آخرکار اپنے رسولِ مقبولؐ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان قائم کر دیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدینہ پہنچنا تھا کہ نورِ اسلام، ظلمتِ کفر پر حسّی رنگ میں غالب آنا شروع ہو گیا۔ اور گو وہاں اُس وقت تک بہت سی ناپاک ہستیوں کی موجودگی سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پاک اور طاہر و مطہر بندوں کی پاکی اس طرح مدینہ کے در و دیوار پر چھا گئی کہ اب کسی پلید اور ناپاک ہستی کے لئے ابھرنے کا موقعہ باقی نہ رہا۔ اندریں حالات کفارِ مکہ کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ اسلام کے پودے کی جڑ مدینہ کی سرزمین میں انصارِ مدینہ کی آبیاری سے مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ کوشش ہونی چاہیئے کہ تناور درخت بننے سے پہلے ہی اس کی جڑ نکال دی جائے۔ اس طرح کے مشورے ہوتے تھے، منصوبے باندھے جاتے تھے، سازشیں اور تیاریاں کی جارہی تھیں کہ اسی اثناء میں چند قدرتی اور ناگزیر اسباب کی

بنا پر وہ مشہور و معروف معرکہ پیش آگیا جو اسلامی تاریخ میں غزوۂ بدر کے نام سے موسوم ہے۔

دار الحرب کے ضعفاء :۔

”یوم بدر“ کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا ہے کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر، اور موحّدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کا سنگِ بنیاد اور حکومتِ الٰہیہ کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف سورہ انفال کے خاتمہ پر ” الّا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ “ کہہ کر توجہ دلائی تھی، اس کا صریح اقتضا تھا کہ اس اسلامی برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حتمی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو۔ جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا تھا۔ جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے۔ انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر تسلّط زندگی بسر کر رہے ہیں دار الاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان

کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ "ما لکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا ....." ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرکز اسلام میں موالاۃ و اخوۃ اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لئے دو صورتوں میں سے ایک ہونی چاہیئے۔ یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں۔ اور اسلامی برادری میں بلا روک ٹوک شامل ہوں۔ اور یا پھر آزاد مسلمان اپنی مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوۃ کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ یعنی سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے۔ جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی قومیت کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔

یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی۔ اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پوری طرح مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔

غلبۂ اسلام :-

اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لئے مسلمانوں نے ۲ھ ہجری میں پہلا قدم میدانِ بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ھ میں مکہ معظمہ کی تطہیر اور فتحِ عظیم پر منتہی ہوا۔ جو فتنے اشاعت یا حفاظتِ اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے۔ فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا اور چند سال بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکزِ اسلام ہر قسم کے وساوس کفر و شرک سے پاک ہو گیا۔ اور سارا عرب متحد ہو کر شخصِ واحد کی طرح تمام عالم میں نورِ ہدایت اور اسلام کا پیغامِ اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا اور اس طرح پورا جزیرۃ العرب ساری دنیا کے لئے ایک عظیم تر پاکستان بن گیا۔ فللہ الحمد علیٰ ذالک۔

یہ ہے مختصر سی تاریخ اس اُمت کے پہلے دور کی۔

حضرت امام مالکؒ کا قولِ حکیمانہ :-

امام مالک رحمتہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس اُمّت کا آخر بھی اُسی چیز سے درست ہو سکتا ہے جس سے اس کا اوّل درست ہوا تھا۔

آیئے اس حکیمانہ قول کی روشنی میں ہم اُمت کے اس پچھلے دور کا جائزہ لیں۔

کہنے کو آج ہم مسلمان دنیا میں ستر کروڑ اور صرف ملک ہند میں تقریباً دس کروڑ ہیں۔ لیکن ہماری غفلت، حماقت، وہن، فشل، اور افتراق و انتشار نے اس کثرتِ عدد کے باوجود ہم کو مفلوج، بیجان، یا نیم جان کر کے چھوڑ دیا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی قوۃِ ایمانی اور جذبۂ اسلامیت سے اگر موازنہ کیا جائے تو شاید ہم ستر کروڑ کا مجموعہ ان کے ستر افراد کے ہم وزن بھی نہ نکل سکے۔ ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے جس پر ہم نے صدیوں تک حکومت کی اور جہاں ہم اب تک محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری وغیرہ کے ناموں پر فخر کرتے رہتے ہیں۔ آج ہماری حالت اس برِّ کوچک میں کیا ہے۔

ہم یہاں ہر طرح لٹے ہوئے اور پامال کئے ہوئے ہیں کسی شعبۂ زندگی میں ہمارا اقتدار امتیاز باقی نہ رہا۔ اسلامی حکومت کے خاتمہ کیساتھ ہمارے سیاسی، اقتصادی، تمدنی اور اخلاقی نظام سب تباہ ہو گئے۔ نسلی، قبائلی، طبقاتی اور مذہبی تعصبات اور تنگ نظریوں نے ہماری قبائے قومیت کو تار تار کر دیا۔ "سامراج" کے علمبرداروں اور "رام راج" کے طلبگاروں نے مل کر ہمارے اجتماعی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا۔ نہ مادی طاقت ہمارے ہاتھ میں رہی نہ روحانی قوۃ

کا ذخیرہ محفوظ رہ سکا۔ ہم اپنے جس گوشۂ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں وہ ہی کیفیت ہو گئی کہ :۔

"تن ہمہ داغدار شد پنبہ کجا کجا نہم"

ہندوستان کی جنگِ آزادی :۔

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایسی بُری طرح ہم کو کچلا گیا کہ مدّت تک موت کی سی بے ہوشی سارے ملک پر طاری رہی۔ کچھ افاقہ ہوا تو چاروں طرف مایوسی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی ۔ مایوسی کے بعد حکومت کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کا دور آیا۔ پھر مدّت کے دبے ہوئے جذبات کچھ ابھرنے شروع ہوئے۔ یہاں کے حاکموں نے جب دیکھا کہ موت کی نیند سونے والے کچھ کروٹیں بدلنے اور جھرجھری لینے لگے ہیں، تو انہوں نے معروضات اور گذارشات پیش کرنے کا راستہ سجھا دیا۔ مبادا یہ تازہ حرکت اُٹھتے ہوئے جذبات اور بیدار کُن احساسات کے نکلنے کا کوئی دوسرا خطرناک راستہ اختیار کر لے۔ معروضات کی منزل سے گذر کر اوّل نرم پھر گرم لہجہ میں مطالبات کا آغاز ہوا۔ تا آنکہ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے پر مسلمانوں کے سامنے خلافت اسلامیہ کے زوال نے ایک نئی اور زوردار تحریک کھڑی کر دی تحریکِ خلافت

کا سیلاب اس جوش و خروش سے امنڈا جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ملک کا گوشہ گوشہ خلافت اور ترکِ موالات کے نعروں سے گونج اٹھا۔ یوں کہیئے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے اس قدر ہمہ گیر، شجاعانہ، گرمجوش اور بے پناہ مظاہرہ یہاں کے زمین و آسمان نے نہ دیکھا تھا۔

انڈین نیشنل کانگریس:۔

مسلمانوں نے اس خالص اسلامی مقصد کی خاطر عظیم الشان جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ قدرتی طور پر کچھ حالات اسی دوران میں ایسے پیش آگئے کہ ہمسایہ اقوام بھی ہمارے ساتھ رَل مل گئیں اور نام نہاد انڈین نیشنل کانگریس نے موقع غنیمت دیکھ کر اس نیم مذہبی اور نیم سیاسی تحریک کو اپنا لیا۔ کوئی ہوش مند، باخبر، اور ذی انصاف آدمی انکار نہیں کر سکتا کہ سمندر کی طوفانی موجوں کی طرح امنڈتے ہوئے مسلمانی جوش و ایثار ہی نے اس وقت کانگریس کے قلب میں روحِ حیات پھونکی اور برطانوی قہرمانیت کا خوف و ہراس عام پبلک کے دلوں میں سے نکالا۔ اب لوگوں کو جیل بلکہ پھانسیوں کا ڈر بھی خوفزدہ نہ کرتا تھا۔ بلکہ بڑی حد تک یہ چیزیں مفاخر میں شمار ہونے لگیں۔ یہ بہت بڑا فائدہ تھا جو اس تحریک سے

ملک کو حاصل ہو گیا۔ یہ رلی ملی سیاست بدوں کسی تمیز و تمحیص کے کچھ عرصہ تک چلتی رہی۔

شاطران بساط حکومت بھی اس سے غافل کب ہو سکتے تھے، وہ بھی اس کے توڑ کے لئے نئے نئے جال بچھاتے رہے۔ بہادر مسلمان کی سادہ دلی اور عیار ہندو کی تنگ نظری اور بنیا ذہنیت کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ آخر کبھی شدھی، کبھی سنگٹھن اور کبھی نہرو رپورٹ جیسی افتراق انگیز اور اشتعال آمیز تحریکات و تجاویز سے یہاں کے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا۔ دریائے سیاست کا یہ جزر و مد برابر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے جاری رہا کیا۔ تاآنکہ ایکٹ ۳۵ء کے ماتحت انتخابات ۳۷ء کے ابعد ہندوستانی وزارتیں بن گئیں۔ گویا ہندو کو اب موقع ہاتھ آگیا کہ اپنے صوبوں میں خود غرضی، تنگ نظری اور اپنے اُن ناپاک خواہشات و عزائم کا زور و قوۃ سے مظاہرہ کرے جو ابھی تک ذرا مستور تھے۔ اور کبھی کبھی بطور مکر و کید بروئے کار آئے تھے۔

کانگرس وزارتیں:۔

کانگرس کی ڈھائی سالہ وزارتوں میں جو دردناک سفاکانہ

اور وحشیانہ مظالم مسلمانوں پر کئے گئے۔ میں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ مدت سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور "ڈان" نیز "منشور" کے پچاس ساٹھ نمبروں میں مسلسل شائع کئے گئے ہیں۔

"واردھا سکیم" اور "ودیا مندر اسکیم" کو آپ بھولے نہ ہوں گے جن کی مذمت تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور پر کی۔ مگر مسلمانوں کے دین و اخلاق کو نقصان پہنچانے اور ان کی تاریخ کو بھلا دینے والی یہ اسکیمیں سب مل کر بھی کانگریسی وزارتوں سے منسوخ نہ کرا سکے۔ مسلمانوں نے آخر سمجھ لیا کہ جب ہندو کا نشۂ حکومتِ وزارتی اقتدار میں اس قدر تیز ہے، تو آزاد حکومت میں کیا کچھ نہ ہو گا۔ انہوں نے طے کر لیا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلہ پر از سر نو غور کیا جائے۔ اور اونچ ذات ہندو اکثریت کے بل بوتہ پر پورے ملک میں جو اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے، اُس سے آزاد رہنے کی کوئی تدبیر سوچی جائے۔

کیا کوئی حساس مسلمان اپنی خوشی سے یہ منظور کر سکتا ہے کہ دس کروڑ فرزندانِ اسلام انگریز کی جگہ ہندو کے غلام بن کر رہیں۔ یا انگریز و ہندو کی ڈبل غلامی کو ہمیشہ کیلئے قبول

کرلیں

مسلم لیگ کا تاریخی فیصلہ :-

مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ان تمام خطرات وعواقب کا اندازہ لگا کر جو زمانہ ماضی کی ملکی ملی سیاست سے پیدا ہو سکتے تھے آخر کار آپ کے اسی تاریخی شہر میں دو ٹوک فیصلہ کر لیا ۔ کہ جس طرح ہندو ، مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں ، ان کی سیاست اور مرکز حکومت بھی اب الگ الگ رہنا چاہیئے ۔ انہوں نے اپنے سب سے بڑے ہادی اور دنیا کے سب سے بڑے مصلح اور خداوند قدوس کے سب سے بڑے پیغمبر کی سیرت طیبہ پر ایک نظر ڈالی جو ہم مختصراً اس خطبہ کے آغاز میں آپکو سنا چکے ہیں ۔ اس کی صاف روشنی میں وہ سمجھ گئے کہ ہندوستان کے اس برّہ کوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کر لینا چاہیئے جو نسبتاً چھوٹا اور محدود ہی کیوں نہ ہو ۔ مگر وہاں ہم پوری آزادی کے ساتھ اپنے آسمانی قانون کے موافق اپنے مذہب ، اپنے علوم ومعارف ، اپنی تاریخی روایات ، قومی خصائص اور تہذیب ومعاشرت کی حفاظت کر سکیں ۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق ودستگیری سے اس بے مثال قانون عدل ع

حکمت کا کوئی چھوٹا سا نمونہ قائم کر کے دنیا کو دکھلا دیں کہ قرآن کی حکومت جبر و استبداد اور ظلم و ستم کی حکومت نہیں بلکہ وہ تمام اقوام اور بندگانِ خدا کے لئے انصاف، رواداری، رحمت و رافت اور امن و سلام کا پیغام ہے۔

خوش نصیبی سے خود قدرت نے ہندوستان میں آبادی کی تقسیم ایسے نہج پر کر دی ہے کہ ہمارے لئے مروّجہ اصول سیاست کے موافق ایسے خطہ کا حاصل ہو جانا ممکنات سے ہے۔ یعنی مسلم اکثریّت والے صوبوں میں ایک ایسا مرکز قائم ہو سکتا ہے جہاں آزادی حاصل ہونے پر مسلمان اپنے نیک عزائم اور قومی رجحانات کو فروغ دے سکتے ہیں اور وہ ایک ایسی طاقت حاصل کر سکتے ہیں جو نہ صرف ان مسلم صوبوں میں ان کی آزادی کی ضامن ہوگی بلکہ اپنی اس اقلیّت کے تحفظات کا بھی اچھا انتظام کر سکے گی جو ہندو اکثریّت والے صوبوں میں آباد رہے گی۔ اسی آزاد اسلامی خطہ کو آج پاکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حقیقت پاکستان :-

آغازِ خطبہ میں میں نے مدینہ کے پاکستان کا ذکر کیا تھا، یہ تو جسارت اور بے ادبی ہوگی کہ کوئی شخص ہند کے اس پاکستان کو اس کے مماثل

قرار دے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہاں جس طرح آپ ایک بوسیدہ بے حیثیت، پھٹے پرانے کپڑے کا ذرا سا ٹکڑا یا ذرا سی کترن بزاز کی دوکان پر بطور نمونہ پیش کر کے فرمائش کرتے ہیں کہ اس کپڑے کا ایک بڑا قیمتی تھان نکال دو حالانکہ اس تھان اور اس کترن میں کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی۔ ایسے ہی ہم ایک ادنیٰ اور حقیر نمونہ کی حیثیت میں ہندی پاکستان کا تذکرہ کرتے وقت اس اعلیٰ مدنی پاکستان کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر ہم اپنے تمام وظائف شرعیہ مثلاً نماز، حج وغیرہ کو اسی وقت معتبر و مستند سمجھتے ہیں جب وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں تو کیا ایسا کہنے سے کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ ہماری نمازیں اور ہماری عبادتیں اسی درجہ اور اسی مرتبہ کی ہوں گی جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو حاصل تھا؟ ظاہر ہے کہ ہماری سینکڑوں برس کی عبادتیں بھی آپ کے ایک مرتبہ سبحان اللہ فرمانے کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ لیکن موضع استدلال میں تو ہر چیز کیلئے قرآن و سنت کی سند ہی پیش کی جاتی ہے۔ بہر حال عامۂ مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست و حکومت کا آزاد مرکز ہو۔

نظام پاکستان :-

پھر جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے۔ یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ دفعتہً و بغتتہً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

آخر مدینہ کا اعلیٰ پاکستان بھی تو اپنے عظیم الشان مرتبہ کے موافق بتدریج ہی حدِ کمال کو پہنچا تھا۔ شروع میں مکہ سے خاص خاص صحابہؓ مدینہ تشریف لے گئے۔ جنہوں نے سطح ہموار کی۔ آج ہندی پاکستان کے لئے بھی اکثر غیر پاکستانی مسلمان آکر مقامی برادران اسلام کے تعاون سے اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ غیر پاکستانی بیشک ترکِ وطن کر کے نہیں آئے اور وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے قیام سے ہم کو براہ راست وہ نفع نہیں پہنچے گا۔ جو پاکستانی مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہے۔ پھر بھی وہ اپنی قوم کے دو تہائی سے زیادہ افراد کی آزادی اور خوش حالی میں حائل ہونا نہیں چاہتے۔ بلکہ بڑے خلوص و شوق سے ان کی آزادی میں ساعی ہیں۔ اور اس کے لئے تدبیریں اور دعائیں کرتے ہیں۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ

ت اردو پنجہ گٹہ

رہے ہیں کہ جس طرح مکہ کے مہاجرین کرام آخر مکہ کے مستضعفین کو وہیں چھوڑ کر اور اللہ کے سپرد کر کے چلے آئے تھے۔ اور اپنے معابد وغیرہ کو بھی ساتھ نہ لے جا سکے تھے۔

پاکستان کے حدود :-

آپ لوگ بھی ہم سے تھوڑی دیر کیلئے قطع نظر کر کے مکمل آزادی حاصل کر لیں، کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا۔ اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا۔ اسی طرح یہ ہندی پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ بلکہ ممکن ہے کہ پاکستان کے طرز حکومت اور اسکے منصفانہ وفیاضانہ رویہ کو دیکھ کر خود ہندوستان یہ خواہش کرنے لگے کہ ہمارے ہاں بھی اسی پاکستانی نوع کی حکومت قائم ہو جائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

یہاں تک میں نے پاکستان کی ضرورت یا اس کے استحسان پر مختصراً کلام کیا ہے۔ اب میں وہ چند شبہات مع جوابات ذکر کرنا چاہتا ہوں جو پاکستانی اسکیم پر مختلف حیثیات سے پیش کئے گئے ہیں تاکہ یہ بحث بالکل تشنہ نہ رہ جائے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کے

مسئلہ کا اطمینان بخش حل کیا پاکستانی تجویز کے سوا کسی دوسرے طریق سے نہیں ہو سکتا۔ "منشور" کی ایک قریبی اشاعت میں اس کے فاضل مدیر نے بہت ہی سلیس اور معقول انداز میں اس پر بحث کی ہے جس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے زیادہ عام فہم اور سلجھے ہوئے الفاظ اس کی تفہیم کے لئے مجھے نہیں مل سکے۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں۔

آل انڈیا یونین کا فریب ...

کہا جاتا ہے کہ کانگریس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت حاصل ہوگا اور نیز یہ بھی کہ جو صوبے چاہیں وہ آل انڈیا یونین سے الگ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان ہی صوبوں سے مسلم لیگ پاکستان بنانا چاہتی ہے جب ان کا حق خود ارادیت تسلیم کر لیا گیا اور یہ بھی کہ جب یہ چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ پھر اب اس اصرار کی کیا ضرورت ہے۔ کہ پاکستان کو ایک جداگانہ آزاد اور خود مختار اسٹیٹ کی حیثیت سے اسی وقت تسلیم کیا جائے۔ مسلم لیگ یہ کیوں نہیں کرتی کہ اب کانگریس کے ساتھ شریک ہو کر ہندوستان کو برطانوی تسلط سے آزاد کرانے کے لئے جد و جہد کرے۔ اور جب ہندوستان آزاد ہو جائے تو مسلم اکثریت کے خود اختیار صوبوں کو آل انڈیا یونین سے الگ کر لے، اگر مسلم لیگ کو یہ خوف ہے کہ اس وقت ہندو

مسلم اکثریت کے صوبوں کو الگ نہیں ہونے دیں گے۔ اور وہ ہندوؤں کو اتنا طاقتور سمجھتی ہے۔ کہ وہ ایسا کر سکیں گے، تو پھر اگر اس وقت پاکستان کا ایک جداگانہ حکومت کی حیثیت سے اعلان بھی ہو جائے تو ہندوستان سے انگریزوں کے جانے کے بعد مسلمان پاکستان کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ مسلم لیگ کے اس اصرار پر کہ اسی وقت پاکستان کے اصول کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا جائے اور کانگریس کے ساتھ اشتراکِ عمل نہ کرنے سے مخالفین پاکستان کو یہ بدگمانی ہے کہ مسلم لیگ پاکستان اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں تیسری طاقت یعنی حکومت برطانیہ کے تسلط کے بقاء کی خواہش کرے گی۔

کانگریس نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حیثیت سے کامل حق خود ارادیت ہو گا اور اگر وہ چاہیں تو تمام ہندوستان کی مرکزی یونین سے علیحدگی کا بھی۔ اس کے معنی کیا ہوئے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان میں پہلے ایک یونین یا فیڈریشن کے ماتحت حکومت قائم ہو گی۔ اختیار حکومت برطانیہ سے اسی یونین کو منتقل ہو گا۔ یعنی مجموعی طور پر پورے ہندوستان کو کامل یا زیر سایہ حکومت برطانیہ آزادی حاصل ہو گی۔ اس یونین کے ماتحت مسلم اکثریت کے صوبوں کو داخلی حق خود ارادیت حاصل ہو گا۔ بالکل اسی طرح جیسے

برطانوی نوآبادیات آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کنیڈا اور جنوبی افریقہ کو دولت مشترکہ برطانیہ کے اندر داخلی آزادی حاصل ہے اور آئین ویسٹ منسٹر کی رو سے برطانوی سلطنت سے علیحدگی کا حق بھی۔ لازماً اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ مسلم اکثریت کے صوبے کچھ عرصہ آل انڈیا یونین کے اندر رہ کر تجربہ کریں۔ کہ آیا وہ آزادی کے ساتھ اور مرکز کی مداخلت کے بغیر اپنے معاملات سرانجام دے سکتے ہیں یا نہیں۔

مسلم اکثریت کے صوبوں کی قوت :-

جب یہ ثابت ہو کہ مرکزی مداخلت مسلمانوں کو ان کی منشاء کے مطابق حکومت نہیں کرنے دیتی تب وہ مطالبہ کریں کہ ہم مرکزی وفاق سے الگ ہونا چاہتے ہیں اس وقت صورتِ حال کیا ہو گی۔ یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کی علیحدگی کے حق کے نفاذ کی منظوری اور نفاذ مرکزی فیڈرل گورنمنٹ کے اختیار میں ہو گا اور اس مرکز کے پاس فوج ہو گی۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کے پاس جو داخلی طور پر خود اختیار ہوں گے فوج نہیں ہو گی۔ یہ فیڈرل گورنمنٹ مسلم اکثریت کے ان صوبوں کی ان وجوہ کو غلط قرار دیکر جن کی بنا پر وہ علیحدگی چاہیں گے اپنی عسکری قوت کے دباؤ سے مسلم اکثریت کے صوبوں کا یہ مطالبہ مسترد کر دیگی اور اگر وہ اس پر اصرار کریں گے تو فوج کے ذریعہ

ان کی سرکوبی کی جائے گی۔

کیا ہم آئے دن یہ نہیں سنتے رہتے کہ کنیڈا کامل آزادی چاہتا ہے اور نیوزی لینڈ کامل آزادی چاہتا ہے، مگر انہیں یہ آزادی ویسٹ منسٹر اسٹیچوئٹ کے باوجود حاصل نہیں ہوتی۔ برطانوی حکومت کے بیڑوں اور فوج کا مقابلہ کرنے کی ان میں سے کسی میں طاقت نہیں اور یہ سب ملکر متحدہ محاذ قائم کریں اس کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ لہذا لٹکے ہوئے ہیں یہی حالت مسلم اکثریت کے صوبوں کی ہوگی۔

برادران وطن کی قربانی کی حقیقت :۔

کانگریس نہیں کہتی مسٹر گاندھی نہیں کہتے۔ اس کا کوئی ہندو لیڈر دعوی نہیں کرتا۔ کہ وہ اسلحہ سے جنگ کرکے انگریزوں سے ہندوستان کا اختیار حکومت چھیننا چاہتے ہیں کانگریس کی تمام جدوجہد اور تحریک ایک قسم کا آئینی ایجی ٹیشن ہے، سول نامتابعت بھی اس سے زیادہ نہیں، کانگریس کی ہر تحریک برطانیہ کی خدمت میں معروضات سے شروع ہوتی ہے۔ یہ لہجہ گرم ہوتا ہے۔ یہ ہمیں تسلیم ہے مگر وہ ہوتا ہے معروضہ ہی اور ہر تحریک کا انجام بھی معروضات ہی پر ہوتا ہے، کوئٹ انڈیا یعنی تخلیہ ہند کا رزولیوشن بھی مطالبہ ہی تھا۔ جو بات سخت لہجے میں کہی جائے وہ مطالبہ جو نرم لہجے میں کہی جائے وہ معروضہ ہے اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ

جاپان کی قوت کے بھروسہ پر تھا۔ کانگریسی حکومت برطانیہ سے اختیار مانگتے ہوئے جیل گئے اور اختیار مانگتے ہوئے جیل سے نکلے ان کا یہ تنزل البتہ ساری دنیا نے دیکھا ہے کہ تخلیہ ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے گئے اور عارضی حکومت کیلئے انہوں نے شملے میں لارڈ ویول کے قدموں پر سر رکھا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے بزور دفع کرنے کا نہ ارادہ ہے اور نہ اس کا سامان ہے۔ لہذا ہندوستان کو کامل یا نیم آزادی اگر ملنے والی ہے تو وہ انگریزوں کے دینے سے ملے گی اور انگریزی یہ اختیا اور آزادی کچھ ہندوستانیوں کے ایجی ٹیشن سے پریشان ہو کر کچھ بین الاقوامی سیاسی حالات اور بین الاقوامی رائے عامہ سے متاثر ہو کر دیں گے۔ اگر یہ ہوتا کہ فوجیں بھرتی ہو رہی ہوتیں، اسلحہ اور سامانِ حرب کا انتظام ہوتا اور انگریزوں سے کھلے میدان جنگ کر کے ہندوستان کی آزادی حاصل کی جاتی تو بلا شبہ مسلمانوں کو اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنے حقوق اور مفاد کے متعلق پہلے ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ یا پاکستان کا اصول تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتے وہ تو زیادہ سے زیادہ فوجوں کی تنظیم کرتے زیادہ تعداد میں اور بہتر مسلم فوجیں اس کی ضمانت ہوتیں۔ کہ ہندوستان میں مسلمان آزاد ہوں گے اور ہندو ان کے ساتھ ناانصافی نہیں کر سکیں گے۔

معروضات و مطالبات :-

جب صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان کو جو کچھ ملنے والا ہے وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قانون سے ملے گا تو مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ہندو اکثریت کو اس کا موقع دیں کہ ہندوستان کی خدمت کا اختیار و اقتدار اس کے حق میں منتقل ہو اور پھر مسلمانوں کو اس ہندو اکثریت سے معروضات کرنے پڑیں۔ اس کے خلاف ایجی ٹیشن کرنا پڑے۔ اور ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ اسی طرح پیش آئے جس طرح برطانیہ ہندوستانیوں کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ اس کی کون وجہ ہے کہ مسلمان یہ مطالبہ نہ کریں ....

...... کہ پہلے ہندوستان کی تقسیم اور آزاد و خود مختار پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے۔ اور جب برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کو اختیار حکومت منتقل ہو۔ تو ہندوستان کے دونوں علاقوں میں بیک وقت انتظامی، عدالتی اور دفاع و تحفظ کے نظامات قائم ہوں۔ اس صورت میں ہندوؤں کی کیا مجال ہے کہ پاکستان کی آزادی سلب کرنے کا خیال بھی دل میں لائیں۔ ہندوستانی انگریزوں سے کیوں آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیا اس کے سوا کوئی دوسری وجہ ہے کہ انگریزوں کے پاس طاقت اور فوج ہے ہندوستانیوں

کے پاس نہیں ہے اور برطانیہ کی طاقتور فوج کی موجودگی میں ہندوستانیوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی فوج بھرتی کریں اور اس کی تنظیم کریں۔ مسلم لیگ یہ حماقت کرنے کے لئے تیار نہیں کہ پہلے آل انڈیا یونین کو جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی ہندوستان کا اختیار حکومت دلا دے، اس کی فوجیں مرتب کرا دے اور اس کے مقابلہ میں مسلم اکثریت کے صوبوں کی وہی حیثیت کر دے جو برطانیہ کے مقابلہ میں تمام ہندوستان کی ہے۔ آزادی کی حفاظت فوج اور اسلحہ جنگ سے ہوتی ہے۔ تعلیوں اور شیخیوں سے نہیں ہوتی۔

پاکستانی تجویز پر ایک دوست کے کچھ شبہات:۔

اب آخر میں بطور تتمیم فائدہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے ایک مخلص دوست کی وہ تحریر بلفظہ نقل کر دوں جو اس نے بہار سے مجھے لکھی تھی۔ اور جس میں اکثر پیش آنے والے شبہات کو مختصر پیرایہ میں سمیٹ لیا گیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے موجودہ تشتت و افتراق کو دیکھ کر سخت تذبذب ہے کہ ہم لوگوں کو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہیئے

مسلمانوں کو جمعیتہ علماء اسلام اور لیگ کی تجویز کے مطابق مطالبہ پاکستان کا ساتھ دینا چاہیئے۔ یا جمعیتہ علماء قدیمہ کی متحدہ حکومت کی پالیسی کو لبیک کہنا چاہیئے۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں۔ ایک متحدہ حکومت دوسرے پاکستان۔ جہاں تک ہم لوگوں نے غور وفکر کیا اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے کئی نقصانات ہیں جو درج ذیل ہیں۔

پاکستان کی صورت میں مسلم اقلیّت والے صوبے اکثریت والے صوبوں سے کٹ کر نہایت خطرناک اقلیّت میں ہو جائیں گے۔ ہندو رام راج کے منصوبے گانٹھے بیٹھے ہوئے ہیں وہ بہار و مدراس وغیرہ کے مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو بتدریج سلب کر لیں گے۔ اور ہندوستان میں رام راج کا بول بالا ہوگا۔ تین کروڑ مسلمانوں کی مذہبی موت ہوگی۔ پانچ کروڑ مسلمانوں کے فائدے کیلئے تین کروڑ مسلمانوں کو اس طرح کفار کے حوالہ کر دینا شرعاً جائز نہ ہوگا۔ ہجرت وغیرہ کی تجویز محض

مہمل اور ناممکن العمل ہے۔ تین کروڑ مسلمانوں کی کھپت کہیں نہ ہو سکے گی۔ ہجرت کا ایک دفعہ تلخ تجربہ بھی ہندوستانی مسلمانوں کو ہو چکا ہے۔ جو عبرت کے لئے کافی ہے۔ ارباب لیگ کا یہ کہنا کہ ”اگر مسلم اقلیت پر ظلم ہوگا تو مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندوؤں سے اس کا بدلہ لیں گے“ محض طفلانہ بات ہے۔ جو عقل و شرع کے خلاف ہے۔ مدبرین کو تو ایسی باتیں بھول کر بھی نہ کرنی چاہئیں۔ اگر اکثریت والے صوبوں میں قرآنی حکومت ہو جاتی۔ تو بھی خیر غنیمت تھا۔ مگر ہندوؤں کی اقلیت ایسی نہیں جیسی مسلمانوں کی ہے۔ بلکہ بعض بعض صوبوں میں ان کی تعداد تقریباً مساوی ہے۔ لہذا ان کے مساویانہ حقوق ہوں گے۔ ان کی مساوی نشستیں اور ملازمتیں ہوں گی۔ تو اس طریق حکومت کو حکومتِ اسلامیہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں پاکستان ابھی تو یقیناً زیر سایہ برطانیہ ہوگا۔ پھر کافر کی سرپرستی میں قرآنی حکومت کا قیام چہ معنی دارد۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض پاکستان کی صورت میں پنجاب و

بنگال وغیرہ میں قرآنی حکومت تو نہیں ہو گی۔ مگر سی پی
و مدراس میں رام راج ضرور ہو کر رہے گا۔ اور وہاں
کے ہندو شعائر اسلامیہ کو پامال کریں گے۔ اور مسلمانوں
پر بدترین غلامی مسلط ہو جائے گی۔ معدنی اشیا زیادہ تر
ہندوستانی خطوں میں پائی جاتی ہیں۔ پاکستانی علاقوں
میں بہت کم ہیں۔ اور یہ ہی علاقے زراعتی و صنعتی
اعتبار سے ممتاز ہیں۔ لہذا پاکستان کے مسلمان
اقتصادی اعتبار سے دن بدن کمزور ہوتے جائیں گے۔
کیونکہ ہندوستان سے ان کو سروکار ہی نہیں ہو گا۔
پاکستان ہو جانے پر سب سے بڑی خرابی یہ ہے
کہ انگریزوں کا قدم ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں
جم جائے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ تفریق و باہمی نزاع
ہی نے ہندوستان میں انگریزوں کو بڑھنے اور پنپنے
کا موقع دیا ہے۔ پاکستان کی بنیاد ہی تفریق و تقسیم
پر ہے۔ برٹش مہاراج کو ہندوؤں اور مسلمانوں کو
لڑانے کا اچھا موقع مل جائے گا۔ اور ہمیشہ درپردہ
شکار کھیلا جائے گا۔ دونوں قوموں میں تصادم ہوتا

رہے گا۔ عصبیّت لازماً پیدا ہو گی۔ نہ کبھی یہ لوگ متحد ہوں گے۔ نہ ہندوستان کی مکمّل آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گا۔ بلکہ چند سال کے بعد ہندوستانیوں کو نااہل ٹھہرا کر ان کی آزادی چھین لی جائے گی۔ ہندوستان بدستور غلام رہ جائے گا۔ ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے پنجۂ استبداد سے نہ نکل سکیں گے۔ حالانکہ آزادی خواہ مسلمانوں کا مطمح نظر صرف ہندوستان ہی کی آزادی نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلام کی آزادی مدِ نظر ہے۔

برما کی تفریق مؤیّدین پاکستان کی عبرت کے لئے کافی ہے کہ برمیوں نے وطنی عصبیّت پیدا ہو جانے پر ہندوستانیوں کے ساتھ کیسا بُرا سلوک کیا۔ پاکستانی حکومت کا زمامِ اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہو گا۔ جو دین و مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے۔ جن لوگوں نے اسمبلی میں جا کر سول میرج ایکٹ اور اس جیسے دوسرے لعنتی قوانین کو مسلمانوں پر مسلّط کیا۔ اگر پاکستانی علاقوں کے ایسے نام نہاد مسلمان ایسے ہی خلاف شرع قوانین کا نفاذ کرتے رہے تو اس پاکستان

سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔

کانگریس کی مجوزہ متحدہ حکومت کی صورت میں گو من حیث المجموع مسلمان اقلیت میں ہوں گے۔ مگر ایسی خطرناک اقلیت نہ ہوگی۔ جیسی پاکستان کی صورت میں صوبہ جات یو۔ پی و مدراس وغیرہ میں ہو جاتی ہے۔ پھر مسلمانوں کی حیثیت فریق کی ہوگی۔ محکوم کی نہ ہوگی۔ اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں گے۔ جمعیۃ علماء ہند کا مطالبہ تو یہ ہے۔ کہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی نشستیں مساوی کر دی جائیں۔ یعنی ۴۵ فیصدی ہندو، ۴۵ فیصدی مسلم اور ۱۰ فیصدی دیگر اقوام اس صورت میں مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کا اقتدار بھی ہو جاتا ہے۔ اور من حیث المجموع مسلمانوں کے محکوم ہونے کا خطرہ بھی دور ہو جاتا ہے۔ بتدریج مکمل آزادی کے لئے بھی راستہ صاف نظر آتا ہے۔ ممالک اسلامیہ بھی برطانیہ کے دستبرد سے نجات پاسکیں گے۔ اگر یہ شبہ ہو کہ اچھوت وغیرہ مل ملا کر پھر مرکز میں ہندوؤں کی اکثریت رہے گی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اچھوت اور سکھ ہندوؤں سے قریب تر ہیں تو پارسی اور عیسائی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے زیادہ مانوس ہیں۔ اپنے مفاد کی خاطر مسلمان

بھی ان اقوام کو اپنانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

دریافت طلب یہ ہے۔

۱۔ کہ جمعیۃ علماء جدید اور لیگ اگر واقعی آزادی خواہ جماعتیں ہیں جو جمعیۃ علماء ہند کی اس زریں تجویز کا کیوں ساتھ نہیں دیتیں۔

۲۔ کیا۔ اگر کانگریس جمعیۃ علماء کی ۴۵ فیصدی والی تجویز کو منظور کرلے اور اس کا باضابطہ اعلان ہو جائے تو لیگ اور جدید جمعیۃ اس کا ساتھ دے گی یا نہیں؟

۳۔ کیا لیگ ہائی کمانڈ نے جمعیۃ علماء اسلام کے ساتھ اس قسم کا کوئی معاہدہ کیا ہے۔ کہ شرعی امور میں علماء کی طرف رجوع کرینگے؟

۴۔ اگر کوئی معاہدہ اس قسم کا نہ کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ الیکشن کے بعد لیگ ہائی کمانڈ جمعیۃ علمائے اسلام سے اسی طرح منحرف نہ ہو جائے گی جس طرح ۳۶ء کے بعد جمعیۃ علماء قدیم کے ساتھ نقض عہد کیا؟

اگر ارباب لیگ نے جمعیۃ علمائے اسلام سے کوئی اس قسم کا معاہدہ کر لیا ہے تو اس کا باضابطہ اعلان ہونا چاہئے ممکن ہے کہ اس اعلان کے بعد قدیم و جدید جمعیتوں میں اختلاف باقی نہ رہے اور دونوں ایک ہی مرکز پر آجائیں۔

ہمارا جواب

اس تحریر کا جواب میری طرف سے حسب ذیل لکھا گیا ہے :-

پاکستانی صوبوں کے اعداد و شمار

پاکستانی تجویز اور جمعیۃ العلماء کے فارمولا کا فرق سمجھنے کے لئے اوّلاً یہ ملحوظ رہے کہ ہر مسلم اکثریت والے صوبہ کا پاکستان علیحدہ نہیں بنے گا۔ بلکہ پانچ چھ صوبوں کا ایک ہی پاکستان ہوگا۔ اس لئے پاکستان پر بحث کرتے وقت ہر صوبہ کے جداگانہ اعداد و شمار اور اُن کی اکثریت و اقلیت کی بحث بیکار ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ صحیح تحقیق کے موافق پاکستانی صوبوں میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی سات کروڑ بیس لاکھ ہے۔ ہم تنزلاً سات کروڑ ہی فرض کئے لیتے ہیں اور غیر مسلم آبادی پاکستان میں ڈھائی اور تین کروڑ کے درمیان ہے۔ اس کو بڑھا کر پورے تین کروڑ مان لیجئے۔ پس مجموعی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم میں سات اور تین

کی نسبت ہوئی۔ گویا ستّر فی صدی مسلمان اور تیس فیصدی غیر مسلم۔ اور اگر اس قسم کے حسنِ ظن سے کام لیا جائے۔ جو جمعیتی فارمولا کی تقدیر پر آپ نے استعمال کیا ہے تو کیا بعید ہے کہ عیسائی بوجہ اہل کتاب ہونے اور سکھ بوجہ موحد ہونے کے اور اچھوت ہندو دھرم کے مقابلہ میں اسلامی مساوات و رواداری نیز پاکستان میں مسلم غلبہ کو دیکھ کر ہماری طرف آ جائیں۔ اُدھر آدی باسی قوم کے کمزور دل افراد اسلام سے قریب تر اور پاکستان کے حامی ہونے کی بنا پر مشرقی حصۂ پاکستان میں شامل ہو جائیں۔ پھر تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ بہرحال میں سیاسی معاملات میں اس طرح کی خیال آرائیوں کو چھوڑ کر تمام غیر مسلم قوموں کا "الکفر ملّۃ واحدۃ" کے مطابق ایک ہی بلاک فرض کیئے لیتا ہوں۔ تب بھی ستر مسلم اور تیس غیر مسلم فیصدی کا تناسب رہے گا۔ دراں حالیکہ آپ کے بیان کردہ جمعیتی فارمولا کے مطابق سارے ہندوستان کی مرکزی حکومت میں ۴۵ مسلم اور ۵۵ غیر مسلم رہتے ہیں۔

یہ چیز عجائب دہر میں سے ہے کہ ہم ستّر فی صدی رہتے

ہوئے تو خسارہ میں رہتے ہیں اور جب ۴۵ فیصدی ہو جائیں۔ تو فلاح و کامرانی کے خزانوں کی گویا سب کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ نیز ہماری صوبجاتی قلیل اکثریت جو آپ کے نزدیک غیر مؤثر اور ناقابلِ اعتداد ہے۔ متحدہ حکومت کی صورت میں کس طرح مؤثر بن جائے گی جبکہ اُوپر مرکز میں بھی ہم اقلیت میں ہوں گے۔ اگر مسلم صوبجات میں وہ اکثریت بے اثر ہی رہی۔ تو صوبوں کی آزادی کا مطلب جمعیتی فارمولا کی بنا پر کیا ہوا۔ کیا کوئی عاقل اسے باور کر سکتا ہے کہ ہماری صوبجاتی تھوڑی سی اکثریت اُس وقت تو کارآمد نہیں جبکہ اس کے مرکز حکومت میں ہم ستّر فیصدی ہوں۔ لیکن جب وہ اکثریت ایک ایسے مرکز کے ماتحت آجائے جہاں ہم پینتالیس فی صدی رہ جاتے ہیں تو وہ نہایت محفوظ اور کارآمد ہو جاتی ہے۔ پھر اس پینتالیس فی صدی کو بھی اس خطرہ سے مامون نہ سمجھئے۔ کہ بہت سے مسلمان اُس وقت بھی ایسے نکل سکتے ہیں جو محض اپنے ذاتی اغراض و مفادات کی خاطر ہندوؤں کی دولت، تنظیم اور اکثریتی حاکمانہ تفوق سے مرعوب و متاثر ہو کر اُدھر چلے جائیں۔ جبکہ بحالت

راہنہ ہندو حکومت کے فقدان کے باوجود ایسا مشاہدہ کیا جارہا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی حیثیت :۔

رہا یہ سوال کہ قیامِ پاکستان کی صورت میں اُن دو ڈھائی کروڑ مسلمانوں کا کیا بنے گا جو ہندو اکثریت کے ماتحت رہیں گے۔ تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ہم کو اپنی اس اقلیت کی فکر ہے، ہندوؤں کو تین کروڑ ہندو اقلیت کے تحفظ کا کوئی احساس نہ ہوگا جو پاکستان میں آباد ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ تحفظ اقلیت کے اس دوطرفہ احساس اور پورے ملک کے مشترک دفاعی مسائل کی فکر ہی قدرتی طور پر وہ بنیاد ثابت ہوگی جس پر مضبوط معاہداتی سسٹم کے ماتحت دونوں قوموں کے عملی اتحاد و اشتراک کی عمارت قائم کی جائے گی۔ اور باہمی تعاون سے مشترک فوائد حاصل کرنے اور مشترک مضار کو دُور کرنے کے راستے نکلتے چلے آئیں گے۔ پاکستان میں ہم غیر مسلم اقلیتوں کو جس قسم کی مراعات کھلے دل سے دیں گے، ہم توقع رکھیں گے کہ اسی قسم کی مراعات

ہندوستان میں ہمارے مسلم بھائیوں کو ملیں۔ ہم پاکستان کا تحفظ اس لئے کر رہے ہیں کہ ملت اسلامیہ کا بہ حیثیت مجموعی اس میں فائدہ ہے۔ پاکستان پر ہندوستانی مسلمانوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا ہمارا ہے۔ کیونکہ وہ ہماری ملّی جائے پناہ اور اُن کا اخلاقی سہارا ہوگا۔

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا راستہ:۔

ہمارا ہندوستان سے کٹ جانا ہندی مسلمانوں سے کٹ جانے کے مرادف نہیں سمجھنا چاہیئے۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے راستہ میں جغرافیائی حدود بندی کوئی شے نہیں۔ جنوبی افریقہ کا مسلمان اور بحرِ منجمد شمالی کا مسلمان ملت اسلامیہ کے محکم و استوار رشتہ میں منسلک ہونے کی وجہ سے ایک ہی جسم کے دو حصے ہیں۔ اس لئے ہم میں اور ہندی مسلمانوں میں کوئی بُعد نہیں ہوگا۔ کوئی چیز ہمارے راستہ میں حائل نہیں ہوگی۔ ہم اپنے ہندو معترضین کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہمارے عزائم غاصبانہ نہیں۔ پاکستان کے مسلم اور غیر مسلم اپنے ملک کی خوشحالی اور

مصیبت میں برابر کے شریک اور حصہ دار ہوں گے۔ مسلمان جو اکثریت میں ہوں گے انشاء اللہ اپنے عمل سے ثابت کر دکھائیں گے کہ طاقت اور قوت اُن کے دماغ میں نخوت اور غرور نہیں۔ بلکہ خدمتِ خلق کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔ وہ انڈین نیشنل کانگرس نہیں کہ اقلیتوں کے جذبات سے اغماض کریں اور اُن کے حقوق پامال کر ڈالیں۔ وہ اپنے حقوق کی طرح برادرانِ وطن کے حقوق کی محافظت کریں گے۔ اِس لئے کہ ان کا مذہب انہیں اس امر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور ان کی گذشتہ تاریخ ان کی اس قومی خصوصیت کی تفسیر ہے۔"

اچھا اسے چھوڑیئے۔ اکھنڈ ہندوستان کی صورت میں ملک کی ۱/۴ مسلم اقلیت کا تحفظ کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح آئندہ ہوگا۔ اقلیت بہرحال اقلیت ہے۔ مرکز حکومت ایک ہو یا دو۔ ملکی حکومت ہو۔ یا اجنبی۔ اقلیت کو اکثریت کے برابر کر دینا تو کسی کی قدرت میں نہیں۔ اب اگر دس کروڑ میں سے سات

کروڑ مسلمان ہی رام راج کی تیاری کرنے والے ہندوؤں کی گرفت سے آزاد اور محفوظ ہو جائیں تو کیا یہ کوئی فائدہ کی چیز نہیں؟

ہندوستان کے مسلمانوں کی قربانی:-

آپ کو معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مکہ کے معابد کو اپنے ساتھ اُٹھا کر نہیں لے گئے۔ اور بے کس و بے بس مستضعفین کو بھی وہیں چھوڑنا پڑا۔ جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے:-

والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ۵

اور ان کے واسطے جو مغلوب ہیں مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے لوگ اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار۔

کفار مکہ ان ہی بعض مستضعفین کو بجبر و اکراہ میدان بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ پر بھی کھینچ لائے تھے۔ تو کیا ان تصورات و امکانات کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو پاکستان بنانے کا خیال ترک فرما دیا تھا۔ ہاں ہوا تو یہ ہوا کہ قرآن کریم میں حق تعالےٰ نے تمام غیر مہاجر مسلمانوں کے متعلق صاف اعلان کر دیا کہ

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدّین فعلیکم النصر اِلّا علیٰ قوم بینکم وبینھم میثاق ؕ

اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا۔ تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے مدد کرنی۔ مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو۔

دارالحرب سے ہجرت :-

آخر یہ مسئلہ تو اب بھی فقہاء کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر دارالحرب

میں کفار ارکان دین کے ادا کرنے سے روک دیں اور چارۂ کار باقی نہ رہے تو ایسے ملک سے ہجرت کر جانا بشروطہا واجب ہے۔ فرض کیجئے ایسی صورت آج کسی ملک میں پیش آجائے تو ہجرت کرنے والے مسلمان کیا اپنے معابد و معابد کو اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ یا غیر مستطیع مستضعفین کی وجہ سے ہجرت ترک کرنا ضروری سمجھیں گے؟ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ ایسے صورت حالات میں علماء امت نے وجوب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے آخر ان مسائل کا حل کیا سوچا۔ کیا یہی کہ ان سب کو اللہ کے سپرد کر کے چلے جائیں یا کچھ اور ——— ؟

پھر یہاں نہ تو سر دست ہجرت کا سوال ہے۔ نہ کئی کروڑ مسلمانوں کا عدد ایسا ہے کہ بالکلیۃ بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے خصوصاً اس حالت میں جبکہ ان کے پڑوس میں مسلمانوں کا طاقتور پاکستان بھی موجود ہو اور اس کو ان کی امداد و تحفظ کا پورا خیال بھی ہو۔ اور پاکستانی خطہ دوسری آزاد اسلامی ممالک سے متصل بھی واقع ہوا ہو۔ خدا جانے لوگ ہندو قوم سے اس قدر خائف کیوں ہیں۔ کہ کسی نے اس کی اکثریت کی غلامی سے نکلنے کا نام لیا اور وہ سمجھے کہ بس ہمارا خاتمہ ہوا۔

ایک مرتبہ کم از کم پاکستانی نظریہ کا تجربہ کر کے تو دیکھ لیں ۔ اگر ناکام رہے گا تو بھی یہ موقع تو ہر وقت حاصل ہے کہ پھر اپنے کو ہندو اکثریت کی غلامی کے سپرد کر دیں ۔

اصل یہ ہے کہ ابھی تک آزاد اور طاقتور پاکستان کا تصور ہی ان کے ذہن میں نہیں ورنہ اس طرح کے رکیک شبہات دق نہ کرتے ۔

رہی پاکستان کی مادی و اقتصادی وسائل کی بحث اور اُس میں معدنیات وغیرہ کی قلّت کا سوال ۔ اس کا مختصر جواب خود مسٹر جناح ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو اپنے ایک بیان میں دے چکے ہیں ۔ سر سپرو کمیٹی کے دو ارکان سر ہومی مودی اور ڈاکٹر جان متھائی نے جو یادداشت پیش کی تھی ۔ اس میں بھی پاکستان کے اقتصادی پہلو کا کچھ حل بتایا گیا ہے ۔

پاکستان کی اقتصادیات :-

بعض مسلمان ماہرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت جو رقوم پاکستان اپنے مصارف کے لئے مرکزی حکومت سے وصول کرتا ہے ان سے کہیں زیادہ وہ مرکزی خزانہ میں داخل کرتا ہے ۔

تو گویا مجموعی حیثیت سے ہم خسارہ میں رہتے ہیں۔ جب پاکستان علیحدہ ہو گا تو دولت کی وہ نہر جو اب گنگا جمنا کے میدانوں کو سیراب کرتی ہے پاکستان کے میدانوں کو گلزار بنانے میں صرف ہو گی۔

اطلاعات سے پایا جاتا ہے کہ سندھ اور بلوچستان کے صوبہ جات میں مٹی کے تیل کے چشمے برآمد ہوئے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہاں سے آتنا تیل دستیاب ہو سکے گا۔ جو کل ہندوستان اور پاکستان کے لئے کفایت کرے گا۔ علاوہ ازیں پاکستان کی زمین ہندوستان کی زمین سے زیادہ زرخیز ہے اور اس میں ہر قسم کی پیداوار ہو سکتی ہے۔ بلوچستان کا ساحل (مکران کا علاقہ) مچھلیوں کے لئے مشہور ہے۔ اس صنعت کو بھی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ جنگلات اور اُن سے متعلقہ صنعتوں کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ یہ ذرائع آمدنی گو سردست ہمارے لئے بالکل بے کار ہیں۔ لیکن ذرا سے اقتصادی شعور اور تدبیر سے ریگ زار کو باغ عدن بنایا جا سکتا ہے۔ گراں بار طرز حکومت اور ملازمین کے گرانقدر مشاہروں میں تخفیف کی جا سکتی ہے۔ ہمارے معدنی ذرائع بھی امید افزا ہیں۔

شمال مغربی علاقہ میں کوئلہ کی کمی ہے۔ لیکن جہاں تک اس کمی کا تعلق ہے ہمارے دریاؤں نے ہمیں اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ دریا تمام کے تمام برفانی پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ اور اپنے راستہ میں جابجا آبشاریں بناتے ہیں۔ جن سے بجلی کی بے پناہ قوت حاصل کی جا سکتی ہے۔ جو آج کل ہائیڈرو الیکٹرک کے نام سے مشہور ہے۔ اسی قسم کے دوسرے پاور ہاؤس قائم ہو جانے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بجلی کتنی وافر مقدار میں پیدا کی جا سکتی ہے۔ اور ہم کس حد تک کوئلہ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ کوئلے سے بے نیاز کرنے کے لئے مٹی کا تیل اور پٹرول بھی ہمارا معاون ہوگا۔ اور ان سب اشیاء کے استعمال سے معدنی، صنعتی اور زرعی پیداوار کو آسانی اور کامیابی کے ساتھ بڑھایا جا سکتا ہے۔ اب اگر ایسا نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں پاکستان کی قسمت ہے وہ مخلص اور دیانتدار نہیں۔ اور وہ دل سے پاکستان کو اپنا دست نگر اور محتاج بنانے کے خواہاں ہیں۔

پاکستانی صوبوں کی زرخیزی :-

ہم معترضین کی چشمِ بصیرت وا کرنے کے لئے پنجاب کے سابق فنانشل کمشنر مسٹر ایچ کیلورٹ کی مشہور تصنیف "پنجاب کی دولت و فراغت" سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں :-

"آل انڈیا فیڈریشن کا جزو بننے سے پنجاب پر اقتصادی موت طاری ہو جائے گی۔ اور اس کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوگی جو غیر پنجابی ہوں گے۔ محکمے جو مرکز میں براجمان ہو کر مرکز کے مفاد کے لحاظ سے پنجاب کا خون شیرِ مادر کی طرح پی جائیں گے وفاقی دستور کے ماتحت تقسیمِ دولت کے جملہ وسائل اغیار کے ہاتھوں میں ہوں گے۔ ریلوے، ڈاک اور تار، برّی اور بحری ذرائع رسل و رسائل تمام کے تمام صوبائی خود مختاری کے حلقۂ اختیار سے باہر ہوں گے۔ حتیٰ کہ پنجاب کی پیداوار کے لئے منڈیاں تلاش کرنا اور اُن کو مناسب قیمتوں پر فروخت کرنا اور اس قسم کے دوسرے اہم کام اُن کے سپرد ہوں گے جنہیں پنجاب سے کوئی ہمدردی نہیں ہوگی۔ نرخوں کا تعیّن خارجی اثرات

سے انجام پذیر ہوگا۔ اور درآمد و برآمد کے سلسلے میں پالیسی سراسر مرکزی حکومت کی ہوگی۔ پنجاب کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز بمبئی کے کارخانہ داروں کا وہ مہلک اثر ہے جس کے باعث وہ مرکزی حکومت کو محصولات کا لالچ دے کر تحفظ صنعت پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بہادر اور تنومند باشندے بمبئی کے فریب کار اور خود غرض تاجروں کے سامنے مجبور محض ہوں گے۔ جن کی ہوس رانیوں نے پہلے ہی ہندوستان بھر کے مفاد کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے۔ پنجاب فیڈریشن میں اقلیت کی حیثیت سے شامل ہوگا۔ اور فیڈریشن کے ناخداؤں کو اس کی ترقی اور تنزل سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اور اگر پنجاب اپنی گزشتہ روایات کا تحفظ اور اقتصادی آبرو کی بقا چاہتا ہے تو اسے ضرور اکثریت پیدا کرنی چاہیئے۔ اور وہ اکثریت دوسرے ہمسایہ زرعی صوبوں کو اپنے ساتھ ملانے سے ہو سکتی ہے۔"

مرکزی حکومت جب اپنے ذرائع آمدنی بڑھانے کے لئے اور بمبئی کے تاجروں کی صنعت کو فروغ دینے کی خاطر

بیرونی اشیاء کی درآمد پر بھاری محصولات لگائے گی تو غیر ممالک بھی ہندوستان کی برآمد پر جواباً اسی قسم کی پابندی عاید کریں گے ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا ۔ کہ ہندوستان کی برآمد میں نمایاں کمی ہو جائے گی ۔ اور چونکہ ہندوستان کی برآمد کا بیشتر حصہ خام اشیائ پر مشتمل ہے جو زیادہ تر پنجاب، سندھ وغیرہ جیسے زرعی صوبے مہیا کرتے ہیں ۔ اس لئے بائیکاٹ کی زد سیدھی ان صوبوں کی ۸۰ فی صدی آبادی پر پڑے گی ۔ جن کا روزگار ان خام اشیاء کی پیداوار پر منحصر ہے ۔ اور اغلب ہے کہ ان صوبوں کے جفاکش کسان تنگدستی اور فلاکت کے مرض میں مبتلا ہو کر راہئ ملک بقا ہوں ۔ اور ان کی سرسبز اور لہلہاتی کھیتیاں ہمیشہ کے لئے خزاں کی نذر ہو جائیں ۔

برما نے علیحدہ ہو کر اپنا مستقبل محفوظ کر لیا ہے ۔ اب زرعی صوبہ جات کے لئے اپنی یقینی بربادی سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ وہ صنعتی صوبہ جات سے علیحدہ ہو کر اپنی جداگانہ فیڈریشن قائم کریں ،

اگر پنجاب ، سرحد ، بلوچستان اور سندھ اور وہ ریاستیں جو این ، ڈبلیو ، آر (شمال مغربی ریلوے) سے ملحق ہیں اپنی علیحدہ فیڈریشن قائم کر سکنے میں کامیاب ہو جائیں تو وہ ان خطرناک نتائج سے بچ سکتے ہیں ۔ جو لازمی طور پر اُنہیں مرکزی حکومت کی تجارتی حکمت عملی کے طفیل بھگتنے پڑیں گے ۔"

ابھی چند روز ہوئے ایک مضمون "پاکستان کی اقتصادی و سیاسی پوزیشن" کے عنوان سے جناب بابو رام شرما نے شائع کرایا ہے ۔ جو معلومات سے لبریز ہے ۔ اس کا اقتباس بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

ہمارے صوبوں کی معدنیات ۔

کسی ملک کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینے کے لئے بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے ہوتی ہیں ۔ اوّل اس ملک کی آبادی ، دوسرے معدنیات ، تیسرے زرعی پیداوار ۔ آبادی کے لحاظ سے شمال مغربی پاکستان کی آبادی تقریباً ۳½ کروڑ اور شمال مشرقی پاکستان کی

آبادی ۳½ کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ جو یورپ کے سب سے بڑے ملک روس کو چھوڑ کر یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ یعنی سات کروڑ کی آبادی یورپ کے کسی ملک کی بھی نہیں ہے۔ اور غالباً یورپی رشیا (Russia) کی بھی اتنی نہیں ہے۔ اس لئے آبادی کے لحاظ سے پاکستان ایک بہت بڑا طاقتور ملک ہے اور اس کے باشندے نہایت خوب صورت، لانبے، مضبوط اور سڈول جسم کے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ فوج میں ساٹھ فیصدی بھرتی اسی خطۂ پاکستان سے لی جاتی ہے۔ اس کی آبادی قدرتی طور پر سپاہی ہے۔ اور اس سات کروڑ آبادی میں سے تقریباً دو کروڑ فوج تیار ہو سکتی ہے۔ معدنیات کے لحاظ سے ہمالیہ پہاڑ کا بیشتر حصہ پاکستان میں سے گزرتا ہے جو ریسرچ کرنے پر معدنیات سے بھرپور ہے۔ نمک (کھیوڑہ) اور مٹی کا تیل (اٹک) پنجاب میں کافی مقدار میں موجود ہے۔ اور سیمنٹ کے لئے بھی یہاں بہت بڑا وسیع میدان ہے۔ کوئلہ کی کمی مشرقی بنگال سے پوری کی جا سکتی ہے جہاں ہائیڈرو الیکٹرک پاورز دنیا کی بہت بڑی الیکٹرک پاورز میں سے ایک ہے جس سے نیشنل لائن

پر بہت بڑا کام لیا جا سکتا ہے جو پاکستانی باشندوں کے لئے بہت بڑی خوشحالی کا باعث بن سکتی ہے۔ عمارتی لکڑی پنجاب میں ضرورت سے بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے معدنیات کے اعتبار سے پاکستان کا علاقہ کچھ کم زرخیز نہیں ہے۔ زرعی اعتبار سے پاکستان دُنیا کا بہترین خطّہ ہے۔ پاکستان آج بھی دُنیا کا بہت بڑا گندم پیدا کرنے والا ملک ہے۔ حالانکہ ابھی سائنٹفک طور اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا کوئی انتظام نہیں۔ اگر سائنٹفک اور نیشنل طریقہ پر گندم کی کاشت کا انتظام کر لیا جائے اور اس کے خشک علاقوں میں آبپاشی کا انتظام ہو جائے، تو یقیناً پاکستان دُنیا میں سب سے زیادہ گندم پیدا کرنے والا ملک ہو سکتا ہے۔

ہماری صنعت و تجارت :-

کشمیر اور بلوچستان کے خشک اور تر میوہ جات پاکستان کی آبادی کی صحت اور خوشحالی میں بہت معاون ہو سکتے ہیں۔ نیز کشمیر کی جڑی بوٹیوں (Medicinal Plants) سے بہت زیادہ مالی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ کشمیر کی اُون، ریشم کی دستکاری کو کو اگر آرگنائز کر لیا جائے تو بھوکے کشمیر کو مالا مال کیا جا سکتا ہے۔

دُودھ، گھی اور مکھن کے لئے مویشی انسانی زندگی کی جان ہیں۔ اور یہ بات ہر شخص پر عیاں ہے کہ پنجاب کے پاکستانی علاقہ میں بہترین مویشی پائے جاتے ہیں۔ اس علاقہ کی گائے بھینسیں اور بکری بہت زیادہ دودھ دیتی ہیں۔ اُونٹ اور بیل زرعی کاموں میں بہت مضبوط اور کارآمد ہیں۔ اور سچ پوچھئے تو گھوڑا جو سواری کے لئے بہترین جانور ہے ملتان اور سندھ کے سوائے ہندوستان میں اور کہیں ہوتا ہی نہیں۔ کسی ملک کا محلِ وقوع بھی اس کی ترقی میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ملک وحشی ممالک کا ہمسایہ ہے۔ تو اس کے لئے ترقی کے موقعے بہت کم ہیں۔ اگر سمندر نہ لگتا ہو اور اندرونی نقل و حرکت کے ذرائع موجود نہ ہوں۔ تو وہ ملک تجارتی لحاظ سے ترقی یافتہ نہیں ہو سکتا۔ آیئے شمال مغربی پاکستان کا محلِ وقوع دیکھئے۔ ایک طرف افغانستان اور روس، دوسری جانب ایران۔ اور ایک طرف بحیرہ عرب واقع ہے۔ افغانستان کے ساتھ اناج کے تبادلہ میں پھل اور میوے لئے جا سکتے ہیں۔ اور مشرقی مقبوضات بھی اپنی ضروریات کے مطابق پورا اناج پیدا کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے روس (Russia) سے اناج کے مقابلہ میں مشینری لی جا سکتی ہے۔ روس،

افغانستان، ایران اور افریقہ سے براہِ راست تعلق ہے۔ کراچی جو کمرشل اور فوجی نقطۂ نگاہ سے ہندوستان کی واحد بندرگاہ تصور کی جاتی ہے پاکستان میں واقع ہے۔ جس سے گندم اور کپاس کی برآمد ہوتی ہے۔ سودیشی نقطۂ نگاہ سے بمبئی کی بندرگاہ جو بدیشی مال درآمد (Import) کر کے ملک کو اقتصادی لوٹ کا شکار بناتی ہے، بالکل ناکارہ ہے۔ اندرونی نقل و حرکت کے لئے پاکستان میں ریل کا جال بچھا ہوا ہے۔ نیز دریاؤں سے کامیاب طور پر تجارتی نقل و حرکت کی جا سکتی ہے۔ پاکستانی خطہ میں نہ صرف بڑے بڑے دریا بہتے ہیں بلکہ ہندوستان کو سیراب کرنے والے دریا گنگا اور جمنا بھی اسی پاکستان کی سرزمین سے نکلتے ہیں۔ اگر ان کے منبع پر سائنٹیفک طریق سے کام لے کر گنگا اور جمنا کا پانی ستلج اور بیاس میں منتقل کر دیا جائے۔ تو پاکستان کا کونہ کونہ سیراب ہو سکتا ہے۔ دریاؤں کے رُخ بدلنے کا کامیاب تجربہ امریکہ میں ہو چکا ہے۔ پانامہ نہر کے بناتے وقت ایک دریا کا پانی کئی سالوں تک دوسرے راستے سے خارج کیا گیا تھا۔ اب شمال مشرقی پاکستان کو لیجئے۔ اس میں کوئلہ بافراط ملتا ہے۔ بلکہ ہندوستان کی آج تمام ضروریات بنگال کے کوئلے سے پوری ہو رہی ہیں۔ بنگال اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ چاول

پیدا کرتا ہے۔ اور پٹ سن اس کی خاص انڈسٹری ہے۔ اگر اسے نیشنل لائن پر چلایا جائے۔ تو تمام مشرقی پاکستان محض پٹ سن کے علاقہ سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ اس سرزمین کو بھی بڑے بڑے دریا سیراب کرتے ہیں۔ جو تجارتی نقل و حرکت کے لئے بھی بہت مفید ہے:

پاکستان کی بندرگاہیں اور باہر کی دُنیا:۔

کلکتہ ہندوستان کی سب سے اہم بندرگاہ ہے اور اس کی کھاڑی بنگال کے جہازوں کے لئے محفوظ ترین بندرگاہ ہے۔ جو پاکستان کی ایک بہت بڑی بحری قوت بننے میں مدد دے سکتی ہے۔ اور اس سے پٹ سن کے مصنوعات اور چاول وغیرہ کی برآمد آسٹریلیا، ملایا اور سنگاپور کو کی جا سکتی ہے۔ اور ادھر سے سماٹرا، جاوا جو آبادی کے لحاظ سے پاکستان ہی ہیں۔ ان کے مصالحہ جات براستہ کلکتہ درآمد کر کے ہندوستان میں برآمد کئے جا سکتے ہیں۔ اور مچھلی بھی اندرونی ہند میں برآمد کی جا سکتی ہے۔ سب سے معرکہ کی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی دو طرفہ سرحد پاکستان کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے چین، روس، تبت، افغانستان کو براہ راست پاکستان سے معاہدات کرنے ہونگے۔ اور ان عہد ناموں

کی موجودگی پاکستان کو بین الاقوامی طور پر ایک بہت اہم ملک بنا دیتی ہے۔ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں میں اپنے بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں۔ کہ یہ چند موٹی موٹی باتیں ہیں جو بیان کی گئی ہیں۔ اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو ایک غیر جانبدار آدمی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوتا ہے کہ پاکستان اقتصادی، معدنی اور زرعی طور پر ہندوستان سے کہیں زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوگا۔ اور شاید ہندوؤں کے دل میں یہی جذبہ کام کر رہا ہے کہ پاکستان کی علیحدگی سے اُن کی اپنی اقتصادی پوزیشن کو بہت نقصان پہنچے گا۔ اور اس جذبہ کے اظہار کو وہ پاکستان کی مالی، اقتصادی اور سیاسی نقصان سے تعبیر کرتے ہیں؛

برادرانِ وطن کی گھبراہٹ:۔

ابھی حال ہی میں ایک مسلمان اخبار نے پاکستان کے متعلق ہندو کے اقتصادی نقطۂ نظر کی توضیح ان الفاظ میں کی ہے:" ہندو سوچتا ہے کہ بھارت ورش کے ساتھ ملایا، جاوا، برما، چین، جاپان اور آسٹریلیا کی تمام تجارت کلکتہ کی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔ بنگال میں پاکستان بن گیا۔ تو یہ سب تجارت گئی۔ عرب، ایران اور عراق کی تجارت کا ذریعہ کراچی ہے۔

ایران اور موصل کا تیل کراچی کے قریب ہے۔ اور برما کا تیل کلکتہ کے قریب ہے۔ اگر بنگال و سندھ میں پاکستان بن گیا۔ تو یہ سب تجارتیں بھی گئیں۔ عراق، ایران اور برما کے تیل کی کمپنیاں پاکستانیوں کے ہاتھ آسکتی ہیں۔ اس صورت میں ہندو کا کیا بنے گا؟

ہندو سوچتا ہے کہ کشمیر کے میوے گئے۔ کابل کے سردے گئے۔ چمن کے انگور گئے۔ افغانستان کے خشک میوؤں کی تجارت گئی۔ بنگال کا چاول اور جوٹ گیا۔ پنجاب کی اجناس گئیں۔ برما عراق اور ایران اپنے تیل کے لئے اپنی ہمسایہ پاکستانی بندرگاہوں (کراچی، کلکتہ) کو ترجیح دیں گے۔ تیل بھی ہوگا۔ ہندوستان میں کسی بھی دوسری جگہ تیل نہیں ہے۔ ان دردناک حالات میں ہندوؤں کا کیا بنے گا؟

اچھا ان سب باتوں کو رہنے دیجئے۔ پھر کیا کوئی قوم اپنے موجودہ اقتصادی وسائل کی قلّت پر نظر کرکے غلامی کی ذلّت کو آزادی کی زندگی پر ترجیح دیگی؟ آپ سرحدی آزاد قبائل کا حال نہیں دیکھتے کہ وہ اتنی بڑی قاہر سلطنت کے مقابلہ میں باوجود انتہائی بے سروسامانی کے کب سے اپنی آزادی کو قائم رکھے

ہوئے ہیں ؛

انگریز کی غلامی :-

اگر آپ کی سب حجتیں صحیح مان لی جائیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہندوستان کے مسلمان کو کبھی اور کسی جگہ ایسا ارادہ اور نیت ہی نہ کرنی چاہیئے۔ کہ وہ ہندو اکثریت کے زیر نگین رہنے اور ان سے حقوق و تحفظات کی بھیک مانگنے سے انکار کرے۔ آپ نے یہ بھی خوب کہی کہ پاکستان ماننے کی صورت میں انگریز کی دائمی غلامی سب پر مسلط رہے گی۔ کیا آپ نے پڑھا نہیں کہ بار بار قائدین لیگ اعلان کر رہے ہیں کہ آج کانگریس مسلمانوں کا یہ منصفانہ اور صحیح مطالبہ تسلیم کر لے تو کل صبح کا آفتاب طلوع ہونے سے پہلے دونوں قومیں کامل تعاون اور وحدتِ عمل کے ساتھ آزادی کی جنگ دوش بدوش ہو کر لڑیں گی بلکہ مسلمان اس میں پیش پیش رہیں گے۔ اب اگر ہندو کا یہ دلی منشا ہی نہ ہو کہ ملک کو اجنبی غلامی سے آزاد کرائے بلکہ یہ ہی مقصد ہو کہ مسلمانوں کو دائماً اپنی اکثریت کا محکوم رکھے۔ تو وہ ہی آزادی ملک کے راستہ میں سنگِ راہ بنے گا۔ اور مسلمان آزادی حاصل کرنے کے لئے کوئی دوسرا

راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں گے۔ مطالبۂ پاکستان کا انکار کر کے انگریز کو یہ موقع تو خود ہندو دے رہا ہے کہ وہ ہم کو باہم ٹکراتا اور لڑاتا رہے۔ دونوں قوموں کی بیک وقت آزادی تسلیم کر لینے سے تو آپس کے سب جھگڑے مٹ جائیں گے اور دونوں ایک دوسرے کے احساسات کی قدر کرنا سیکھیں گے۔

بے شک انگریزی حکومت باختیار خود اپنے مفاد کو ترک نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر حکومت ہندوستانیوں کو اُلو بناتی ہے تو وہ خود اُلو کیوں بنتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ بیجا تعصبات اور تنگ نظریوں سے بالاتر ہو کر فراخ دلی کے ساتھ معاملہ کرنا سیکھیں۔ اور ایک دوسرے کے صحیح اور جائز احساسات کی رعایت اور قدر کریں اور غیر ملکی حکومت کے جال میں نہ پھنسیں"

پاکستان کا قانون :-

یہ کتنا حیرت انگیز ہے کہ پاکستان کی حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے گی جو دین و مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتے۔ اور اپنی حکومت میں سول میرج جیسے قوانین بنائیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ پاکستانی حکومت ایسے ہاتھوں میں جانے ہی کیوں دیتے ہیں۔ یہ قصور تو آپ کا ہے۔ آج اگر تمام علمأ و زعمأ مل کر لیگ میں آجائیں اور لاکھوں صحیح الخیال و صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس کا ممبر بنائیں۔ پھر اکثریت آپ کی ہوگی، آپ ہر طرح کی اصلاح جمہور کی طاقت کو ساتھ لیکر کر سکیں گے۔ اور ناقابلِ اصلاح ہونے کی تقدیر پر فاسد عنصر کو نکال باہر کرینگے۔ بہر حال ان مشکلات کا واحد حل یہی ہے۔ ورنہ کیا ہندو اکثریت کی حکومت سے آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے دین و مذہب کے تحفظ کی ضامن و کفیل ہوگی۔ اگر کلمہ پڑھنے والوں سے آپ اپنی مذہبی بات نہیں منوا سکتے۔ تو کھلے ہوئے کافروں سے کس طرح تسلیم کرائیں گے؟

کانگریسی وزارتوں کے زمانہ میں جو دردناک مظالم ہوئے انہیں چھوڑ کر کیا واردھا اسکیم ہی آپ کانگریس سے منسوخ کرا لینے میں کامیاب ہوگئے، جس کی پُرزور مذمت، تمام مسلم جماعتوں نے متفقہ طور سے کی؟

جمعیتہ العلمائے ہند کا فارمولا:-

کیا جمعیتہ العلمأ کا موجودہ فارمولا ہی کانگریس اور دوسری اقوام متعلقہ سے منظور کرا لیا ہے یا محض ہوائی قلعہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔

پہلے جمعیتہ العلماء ہند اپنا فارمولا کانگریس وغیرہ سے تسلیم کرالے۔ تب دوسری مسلمان جماعتوں سے دریافت کیجیے کہ تم اسے تسلیم کرتے ہو یا نہیں۔ عجیب بات ہے کہ کانگریس میں دوسری اقوام غالبہ کی شرکت کے لئے تو ہم کو معاہدہ کی ضرورت نہیں مگر مسلم لیگ میں شریک ہونے یا اسکی تائید کرنے کیلئے جس کا دروازہ تمام مسلمانوں کیلئے کھلا ہوا ہے، پہلے معاہدہ کی ضرورت ہے گویا مشرکین کی بات پر تو ہم اعتماد کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کے ساتھ کسی درجہ میں بھی حسن ظن باقی نہیں رکھ سکتے۔ مسلم لیگ کے شائع شدہ دستور میں یہ دفعہ موجود ہے کہ مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات میں سنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہدین کی رائوں کو معتبر رکھا جائے گا۔ پھر سب وعدے اور اعلانات کی پابندی کرانا کسی طاقت ہی سے ممکن ہے۔ مسلم لیگ میں جمہور اہلِ اسلام کی طاقت کو ساتھ لیکر وعدے وفا کرانے کا ہر وقت موقع ہے۔ کانگریس میں کبھی یہ امکان ہی نہیں بجز اسکے کہ اکثریت اپنے لطف وکرم سے ہم کو بھی زندہ رہنے کا حق عنایت فرمادے۔ کیا اس قدر واضح اور کھلی ہوئی حقائق کی موجودگی میں کوئی مسلمان بشرط سلامتی ہوش وحواس یہ گمان کرسکتا ہے کہ چند منفرد ومنتشر مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہوکر مسلم لیگ کے

خلاف محاذ بنانا صحیح ہوگا۔ بار بار سوچیے اور فہم و دیانت سے کام لیجیے۔ کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ صحیح حقیقت سب کے دلوں پر منکشف فرما دے۔ اور جو موقع حسنِ اتفاق سے کلمہ گویوں کی تنظیم کا کفار مجاہرین کے مقابلہ پر اس وقت اللہ کی رحمت سے ہاتھ آگیا ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔ سب مسلمان یک دل و یک زبان ہو کر اپنا متفقہ مطالبہ حکومت اور کانگریس دونوں کے سامنے رکھیں تو کس کی مجال ہے کہ دس کروڑ فرزندانِ توحید کی پُر قوت و پُر ہیبت آواز کو یوں ہی بے اعتنائی سے ٹھکرا دے۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسے ٹھکرانے کے بعد وہ دُنیا میں چین سے بیٹھ کر حکومت کرتے رہیں گے؟

جمہور مسلمانوں کا مطالبہ:۔

یاد رکھیے مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے۔ اُس نے اپنی منزلِ مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے۔ وہ اس رستہ میں جان و مال نثار کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علمائے اُمت اور اکثر مشائخ طریقت نے مذہبی نقطۂ نظر سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اور وہ اپنے پیروؤں کو برابر یہ تلقین کر رہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ

کو کامیاب بنانے کی انتہائی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خا میں نہ لائیں کیونکہ اس وقت یہ مسلمانانِ ہند کی موت وحیات کا مسئلہ ہے۔ اب ہم مضمون پاکستان کو چودھری رحمت علی صاحب کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جو ترکی کی شہرہ آفاق خاتون خالدہ ادیب خانم کی کتاب "درونِ ہند" سے ماخوذ ہیں۔ اُنہوں نے اسلامی ہند کی سیاست پر تبصرہ کرتے ہوئے پاکستان نیشنل تحریک پر ایک باب باندھا ہے اور اس سلسلہ میں چودھری صاحب سے پیرس اور لندن میں دو دفعہ ملاقات کی ہے۔ اور پاکستان کا باب انہی ملاقاتوں کا نتیجہ ہے۔ اس باب میں سے ہم چند سطور ذیل میں درج کرتے ہیں "ہماری تجویز ایک آزاد اور علیحدہ پاکستان کا تصور ہے جو شمال کے پانچ صوبوں پر مشتمل ہے اور جس کا سیاسی درجہ دیگر مہذب اقوام کے برابر ہوگا۔ ہمارا یقین ہے کہ یہ حل دونوں قوموں (پاکستان کے مسلمان اور ہندوستان کے ہندو) کے لئے آبرومندانہ زندگی کا تحفظ کرے گا اور دونوں کو برطانوی شاہنشاہیت کا آلہ کار بننے سے بچائے گا......

ہم مسلمانوں کا ہندو اکثریت میں مدغم ہو جانا سیاسی موت کے مترادف ہوگا۔"

ملّی خودکشی کے معنی؟ :—

"کیا تاریخ عالم میں ایسی ایک بھی مثال ملتی ہے کہ ایک قوم نے ہمسایہ قوم کے اتحاد کے لئے ملّی خودکشی کی ہو۔ شکست ایک بری چیز ہے لیکن بغیر مقابلہ کے ہتھیار ڈال دینا گناہ عظیم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برطانوی راج اور ہندو وطن پرستی اپنی مخصوص مصالح کی خاطر ہم سے متحدہ ہندوستان کے نام پر قومی خودکشی کی توقع رکھتی ہے۔ لیکن ایسا ہونا قبیل محالات سے ہے۔ ہندوستان کو متحدہ کرنا علیحدہ بات ہے لیکن پاکستان کو غصب کرنا اور بات۔ یہ ہم کبھی گوارا نہیں کر سکتے ...... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم کشمکش حیات میں چند در چند مصائب میں مبتلا ہیں لیکن یہ درخشاں حقیقت ہم فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اس سرزمین میں ان سے کہیں زیادہ عظیم الشان مصائب کا نہایت جوانمردی اور کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لئے انتخاب کیا ہے۔ اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں

کا مہرِ منیر طلوع ہوگا ۔ اس صبح امید کی نمود تک ہم نومیدیوں کی شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے ۔ دیگر اقوام عالم کی طرح ہمارے سامنے بھی خدمتِ خلق کا معین مقصد ہے اور وہ اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ ہم پاکستانی روح کو منزہ اور محفوظ رکھیں ۔ اندریں حالات اگر ہم قومیت متحدہ ہندیہ کے بر خود غلط اور خطرناک نظریہ کے لئے اپنے ہی قتل نامہ پر دستخط ثبت کر دیں تو یہ آیندہ نسلوں سے غداری، اپنی تاریخ سے صریح ظلم اور انسانیت کے خلاف گناہ عظیم ہوگا ۔

پاکستان کا نظام حکومت :-

اب آپ نے سمجھ لیا کہ پاکستان کیا ہے ۔ اگر یہ پاکستان بن گیا ۔ تو وہاں نظام حکومت کس قسم کا ہوگا ۔ اس کے متعلق ہم سردست بدون تفصیلات میں جائے انہی اعلانات پر اکتفا کرتے ہیں جو آل انڈیا مسلم لیگ کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح ، اس کے جنرل سکرٹری نواب زادہ لیاقت علی خان اور اسکی مجلسِ عمل کے صدر نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں کہ سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہوگی ۔ جس میں

تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائیگا ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہو تدریج حاصل ہو۔ تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا۔ ہاں اس موقع پر میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ پاکستان بنانے والوں کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ پہلے خود پاک بنیں۔ بلا شبہ پاکی کے درجات ہیں۔ اور اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ادنیٰ ترین مسلمان کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ کفر و شرک کی نجاست سے وہ بہر حال پاک ہوتا ہے۔ مگر بانیانِ پاکستان کے لئے بہت ہی ادنےٰ مرتبہ کی پاکی کفالت نہیں کر سکتی۔ لازم ہے کہ پاکستان قائم ہونے سے پہلے وہ زیادہ سے زیادہ پاکیزگی اپنے اخلاق، اعمال، خیالات اور جذبات میں پیدا کریں۔ میں نے میرٹھ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں اس پر ذرا تفصیل کے ساتھ متوجہ کیا ہے۔ اور آج پھر کہتا ہوں کہ حقیقی معنی میں پاکستان بنانے والی قوم کے لئے ضرورت ہے کہ وہ خود پاکیزہ اخلاق و اطوار کا نمونہ بنے۔ اور اسی کے ساتھ تخیل پاکستان کے ذرائع و وسائل مہیا کرنے

میں انتھک جد و جہد سے کام لے۔ وہ ذرائع و وسائل کیا ہیں۔ اس کی تفصیلات تو حالات کے اقتضا سے وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہیں گی۔ فی الحال تو ہماری تمام تر مساعی اس نقطہ پر مرکوز ہونی چاہیئے کہ ایک طرف حکومت اور دوسری جانب ہندوستان میں بسنے والی قوموں پر یہ ثابت کر دیں کہ یہاں کے جمہور مسلمانوں نے آخری طور پر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے۔ جس کا ثبوت پیش کرنا صرف مسلمان ووٹرز کے قومی احساس اور فرض شناسی پر منحصر ہے۔

مسلم لیگ کی درخشاں کامیابی :-

الحمد للہ والمنۃ کہ سنٹرل اسمبلی کے انتخابات میں اُنہوں نے بہت ہی صاف طور پر اس کا ثبوت پیش کر دیا۔ اب دوسرا مرحلہ شروع ہے اور محض تائید ربانی سے آثار ایسے پیدا ہیں کہ اس مرحلہ پر بھی ہمارا یہ دعوے جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ اس ایک دو ماہ میں مسلمان چین سے نہ بیٹھیں۔ اور ہر فرد مسلم اپنی اپنی جگہ مطالبۂ پاکستان کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش عمل میں لائے۔ کاش جو مسلمان اس مطالبہ سے علیحدہ ہیں۔ وہ بھی اس وقت متفق ہوتے یا

کم از کم برسرِ پیکار نہ ہوتے تو بسہولت اور بلا ادنیٰ مقابلہ کے ہمارا یہ قومی نصب العین انگریز اور ہندو دونوں سے تسلیم کرایا جاسکتا۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے احرار بھائی پہلے مسلم لیگ کے ساتھ ہو کر ہندوستان میں کوئی مناسب زمین حاصل کر لیتے۔ پھر وہاں حکومت الٰہیہ کی مضبوط عمارت بنوانے کی خدمت پوری قوت کے ساتھ انجام دیتے۔ افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ تجری الریاح بما لا تشتھی السفن واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون۔ بہرصورت اس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس معرکۂ انتخاب میں حصولِ پاکستان کے پیشِ نظر مسلم لیگ کی آواز کو زیادہ سے زیادہ کامیاب اور مؤثر بنانے کی کوشش کریں۔ میں اس سے بے خبر نہیں کہ محض الیکشن کی کامیابی ہم کو پاکستان نہیں دلوا سکتی۔ الیکشن ختم ہونے کے بعد دیکھنا ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور ہندوستان کی سخت اضطرابی کیفیات کا اثر حکومت برطانیہ کے دماغ وقلب پر کیا پڑتا ہے۔ اور ہماری ہمسایہ اقوام کہاں تک ٹھنڈے دماغ سے جمہور مسلمین کے منصفانہ مطالبہ پر غور کرتے اور اس پورے ملک کی بہتری اور امن وخوشحالی کا کس حد تک پاس و

لحاظ رکھتے ہیں۔ اگر امن پسندانہ آزادی، صلح و آشتی، نیک خواہی اور خیر سگالی کے جذبات یہاں کی اقوام میں کارفرما ہوئے تو مسلمان آگے بڑھکر جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرینگے۔ ورنہ جو غیر خوشگوار حالات پیش آئیں گے اُن کے لئے ہمکو بہر حال سینہ سپر ہونا پڑے گا؛

ہمارا قومی نعرہ :-

اس موقع پر ہمارا قومی نعرہ وہی ہوگا۔ جو روہیلکھنڈ کے آخری ہیرو حافظ رحمت خاں نے اپنے تاریخی خط میں شجاع الدولہ کو لکھا تھا کہ

"اگر صلاح دولت کیشاں بصلح ہمرنگ است بارک اللہ
وگر بستیز و جنگ است بسم اللہ!"

جواں مرداں نتابند از کسے روئے
ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوئے

حالات کا آخری نتیجہ کچھ بھی ہو اور اس منزل کے قطع کرنے میں کچھ بھی مصائب کسی طرف سے پیش آئیں۔ مگر ہندی مسلمان اب جاگنے کے بعد پھر سونے کا اور اُٹھنے کے بعد بیٹھ جانے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرنا شاد سہی
مشغول تو ہے بیدار تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی
ہر چند بگولا مضطر ہی اک جوش تو اسکے اندر ہے
اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بیچین سہی برباد سہی
وہ خوش کہ کرونگا قتل اسے یا قید قفس میں رکھونگا
میں خوش کہ وہ طالب تو ہے میرا صیاد سہی جلاد سہی

یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان سے خطاب :-

اب رخصت ہونے سے پہلے مجھے دو لفظ اور کہنے دیجئے جو یہاں کی برسر حکومت پارٹی سے متعلق ہیں۔ میں ابھی تک یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلم ارکان باوجود پاکستان کے حامی ہونے کے کس نوعیت کا اختلاف مسلم لیگ سے رکھتے ہیں۔ میں ایک غیر سیاسی آدمی ہوں۔ ایسے دقیق سیاسی اختلافات کا سمجھنا شاید میری دسترس سے باہر ہے۔ اخبارات وغیرہ سے جو کچھ مجھے اندازہ ہوا۔ وہ یہ ہے کہ اصولاً اختلاف زیادہ شدید قسم کا معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اس نے عملاً ایک سخت نوعیت اختیار کر لی ہے۔ کیا پنجاب میں کوئی سمجھدار اور باثر ایسا نہیں جو اختلاف کی اس گتھی کو سلجھا سکے۔ اوس و خزرج

کی ایک سو بیس سالہ جنگ کے اثرات کو اسلام کی ربانی تاثیر نے ایک آن میں ختم کر دیا تھا۔ کیا آج ہمارا مشترک جذبۂ اسلامیت اور اعلیٰ قومی مفاد کا تصور ایسے حقیر نزاعات کو ایسے نازک موقع پر ختم نہیں کر سکتا۔ ضرور کر سکتا ہے۔ مگر وہ ختم کرنا اُسی خداوندِ قدوس کے نام پر ممکن ہوگا جس کا واسطہ دینا الیکشن کے زمانہ میں جُرم قرار دے دیا گیا۔ اکبر مرحوم نے شاید اسی دن کے لیئے کہا تھا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانہ میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں

اب فرمایئے اگر گلینسی ہمارا خضر بن جائے۔ اور خضر راہ ہی راستہ سے ہٹانے لگے تو صحیح رہنمائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے؟

بارے! خدا کا شکر کہ مسلمانوں نے یہ سیاسی مہم سر کرنے کے لیئے اپنا رہنما چُن لیا ہے۔ جس نے عظیم ترین قومی تنظیم کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ حق تعالےٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ خطبہ بلا ارادہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اور

جمعیۃ علماء اسلام کے دوسرے اعلیٰ ترین مقاصد پر جو اس کے مفصل نظامنامہ کے پڑھنے سے آپ پر واضح ہوں گے۔ اور جن کا تعلق محض ہنگامی صورت حال سے نہیں۔ میں اس پر کوئی بحث نہیں کر سکا۔ اپنی اس تقصیر کا مجھے اعتراف ہے۔ لیکن وقتی مسئلہ نے بہت وقت لے لیا۔ ادھر طویل علالت کے اثرات سے میں اس قابل نہیں کہ مزید محنت برداشت کر سکوں۔ میں تھک چکا اور میرے خیال میں آپ بھی سنتے سنتے اکتا گئے ہوں گے۔ اس لئے آخر میں آپ کی قدر افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ کے ساتھ اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم۔

سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

نوٹ:۔ میرٹھ کانفرنس کے خطبہ صدارت میں ایک جزو زیر عنوان "ووٹروں سے خطاب" شائع ہو چکا۔ اگر آپ

چاہیں تو اس خطبہ کا جزو بنا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کی ضرورت آج کل ہر جگہ ہے۔ اور مناسب سمجھیں تو علیحدہ بھی اس کو شائع کر سکتے ہیں"

آخر میں میں مجلس استقبالیہ اور اس کے سرگرم عہدہ داران بالخصوص مولانا غلام مرشد صاحب صدر جمعیۃ علماء اسلام پنجاب، خان صاحب چودھری عبدالکریم صاحب جنرل سکرٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ العلمائے اسلام پنجاب اور ملک لال خاں صاحب آرگنائزنگ سکرٹری مجلس استقبالیہ جمعیۃ علمائے اسلام و عزیزی مولوی محمد متین خطیب دیوبند نائب ناظم کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام کا دلی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جن کی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے یہ کانفرنس انعقاد پذیر ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان حضرات کے دلوں میں خدمت اسلام کا ایک بے پناہ جذبہ پیدا فرما دیا۔ جس کا اثر یہ ہے کہ آج ہم اس قدر عظیم الشان اجتماع اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ حضرات اپنے وقت عزیز کو اس قدر سرگرمی سے مفاد ملت کے لئے وقف نہ فرماتے۔ تو شاید ہم اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ میری دلی دعا ہے کہ

اللہ تعالیٰ انہیں بیش از بیش خدمتِ دین و ملت کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ اور اپنی نعمتوں سے مالامال فرمائے۔ آمین

شبیر احمد عثمانی دیوبندی
۲۶ر جنوری ۱۹۴۶ء ——— ۲۱ر صفر ۱۳۶۵ھ

شائع کردہ
(خانصاحب) چوہدری عبدالکریم جنرل سکرٹری مجلس استقبالیہ۔ جمعیتہ علمائے اسلام۔ کانفرنس پنجاب
عبدالکریم روڈ۔ قلعہ گوجر سنگھ لاہور

بجملہ حقوق اشاعت
بحق
جنرل سکرٹری مجلس استقبالیہ جمعیتہ علمائے اسلام پنجاب لاہور محفوظ ہیں۔

(مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور)

خطبۂ صدارت

از

حضرت مولٰنا شبیّر احمد صاحب عثمانی

جانشین حضرت شیخ الہند

جو

مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں دیا گیا

ہماری جنگ شخصیّتوں کی جنگ نہیں - اصول کی جنگ ہے

مسلم لیگ کی مخالف مسلم جماعتیں ہندو اکثریّت کی آلہ کار ہیں

متّحدہ قومیّت کے علمبرداروں کو ووٹ دینا ہندو کانگریس کو ووٹ دینا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ہ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ہ وَالۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ط

برادران اسلام اور محترم قائدین مسلم لیگ! آپ حضرات نے اس کانفرنس کی صدارت مجھے تفویض فرمائی گو میں اس کا اہل نہ تھا بہرحال اس قدر افزائی کا شکر گزار ہوں۔ ممکن تھا اگر مجھے زیادہ وقت اور اپنے مشاغل کثیرہ سے فرصت کا موقع ملتا تو کوئی بسیط خطبہ تیار کر لیتا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری قوم کچھ زیادہ فصاحت و بلاغت کی بھوکی نہیں، وہ ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے جبکہ تھوڑا سا وقت بھی ضائع کئے بدوں اس کو اصل مقصد اور اس کے متعلقات سے سیدھے سادھے الفاظ میں آگاہ کر دیا جائے۔ بنا بریں میں طویل تمہیدات اور رسمی شکریوں میں پڑنے کی بجائے محض اصل مقصد کے بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔ میری ان چند سطور کو جو بہت عجلت میں اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ اگر آپ نے توجہ سے سنا اور سن کر کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ گئے۔ تو میں

سمجھوں گا کہ میری محنت بے کار نہیں گئی۔ اور علالت و مجبوری کے باوجود جو سفر میں نے بادل ناخواستہ اختیار کیا۔ اس کا پھل مجھے مل گیا مجھے آپ کے ہاں نہ کوئی منصب چاہئے نہ تحسین و آفرین کے نعرے ایک اور صرف ایک ہی چیز مجھے مطلوب ہے کہ مسلم قوم وقت کی نزاکت اور سامنے آنے والے مسائل کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لے اور جو رکاوٹیں رستہ میں حائل ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اور جس چیز کو حق صواب سمجھ لے اس کی حمایت میں جان و دل سے سرگرم ہو جائے۔

اب میں اس تاریخی مقام سے جہاں سے ۸۸ برس پہلے ایک غیر منظم فوجی انقلاب کی تحریک اٹھی تھی، آج ایک منظم اور آئینی انقلاب کی طرف آپ کو دعوت دیتا ہوں۔ امید ہے آپ اس کو غور سے سنیں گے۔

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں حق سبحانہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کو جو بےمثال کامیابی عطا فرمائی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں اس پر شکر ادا کرنے اور اس کی تسبیح و تحمید اور استغفار میں مشغول ہونے کی ضرورت ہے۔ خداوند قدوس کی نصرت و اعانت سے اس عدیم النظیر کامیابی نے مخالفوں کے حوصلے پست کر دیئے اور لیگ کے حامیوں کی ہمتیں بڑھا دیں مگر صوبائی الیکشن ابھی باقی ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ طویل و عریض اور سخت جد وجہد، جانفشانی اور تندہی کا محتاج ہے۔ مبادا کامیابی ادھوری رہ جائے۔

اس لئے میں چند الفاظ صوبجاتی الیکشن کے ووٹروں کی خدمت میں بطور مشورہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

ووٹروں سے خطاب :-

موجودہ الیکشن میں جو نمایندے کسی قوم کی طرف سے جائیں گے ملک ہند کا آئندہ مستقل دستور بنانے میں انہی کا دخل ہوگا۔ اس لئے ووٹ دینے والوں کو قرابت، پارٹی، لالچ، دوستی، تلمذ، پیری مریدی اور عقیدت وغیرہ کے تمام تعلقات سے قطع نظر کر کے اپنی عظیم ذمہ داری کو اچھی طرح محسوس کر لینا چاہئے۔ آج شخصیتوں کی جنگ نہیں اصول کی جنگ ہے اگر صحیح اصول پر نظر کر کے کسی قابل آدمی کو آپ نے ووٹ دیا تو آپ بحسن اسلوب اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اس کے برخلاف اگر آپ بنیادی اصول کو عمداً نظر انداز کر کے دوسری زائد بحثوں میں الجھ گئے۔ تو جو عظیم نقصان ایسا بے اصول طریقہ اختیار کرنے سے آئندہ قوم کو پہنچے گا اس کی تمام تر ذمہ داری آپ کے سر رہے گی، اور آپ ہی اس بارے میں مسئول و ماخوذ ہوں گے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ اصل مقابلہ لیگ کا کانگرس سے ہے۔ دوسری مسلم جماعتوں سے نہیں لیکن کانگرس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ جو جماعت یا شخص مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہوگا۔ کانگریس اس کی حمایت اور

اور امداد کرے گی۔ اس لئے مسلم لیگ قدرتی طور پر کانگریس کے ساتھ اس کی امدادی یا معاون جماعتوں اور اشخاص کا مقابلہ کرنے پر بھی مجبور ہوئی۔ کیونکہ یہ جماعتیں اس وقت جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ فی الحقیقت ہندو اکثریت کے مطلب کی باتیں ہیں جو ان کی زبانوں سے ادا ہوتی ہیں۔ جدوجہد، محنت و مشقت اور دوڑ دھوپ ان کی ہے اور اس کا میٹھا پھل آخر کار اسی ہندو قوم کو ملنے والا ہے گویا بقول اکبر مرحوم ان کی زبان حال اس طرح گویا ہے ؎

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں　　زباں میری ہے بات اُن کی
اُنہی کی محفل سنوارتا ہوں　　چراغ میرا ہے رات ان کی
سُنے جو اس کو اُسے تردّد　　جو اسکو دیکھے اُسے تحیّر
ہماری نیکی اور ان کی برکت　　عمل ہمارا نجات اُن کی

اب سنیئے :-

اصل بنیادی اختلاف لیگ اور کانگرس میں یہ ہے کہ کانگریس کی ساری جڑ بنیاد قومیّت متحدہ پر قائم ہے۔ اس کا دعوےٰ ہے کہ ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور پورے ہند کی مخلوط حکومت میں چونکہ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے ایسے نظام حکومت میں جہاں ہر چیز کا فیصلہ محض رائے شماری سے ہوتا ہو۔ نو دس کروڑ مسلمانوں کو اقلیت کی وجہ سے ہمیشہ اور ہر جگہ ان کے رحم و کرم پر رہنا ہوگا۔

مسلم لیگ کہتی ہے کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ مستقل قومیں ہیں اور پیدائش کے وقت سے مرنے کے بعد تک انکا نام اُن کے کام، ان کے عقائد، اعمال، عبادات، نکاح و طلاق، رہن سہن کے طریقے، غذائیں، تاریخی روایات، ہیرو، جذبات تجہیز و تکفین، وراثت کے قاعدے۔ غرض جملہ معاملات میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں میں سے بڑے سے بڑا صاف ستھرا، پاک نفس، پاک باطن، عالم، متقی، اگر اپنی انگلی ہندو کے اس برتن کو لگا دے جسے کتے چاٹ رہے ہوں۔ تو ہندو اسے مٹی اور گوبر سے مانجھ کر صاف کرتا ہے۔ اور اس چھوت چھات کے دور کرنے کی ادنٰے ترین کوشش بھی ان کا وہ لیڈر نہیں کرتا جو اچھوت اقوام کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے۔

اب مسلم لیگ کا کہنا یہ ہے کہ جب دو قومیں جدا جدا ہیں تو آزادی ان میں سے ہر ایک کا حق ہے۔ ان میں سے ایک ہمیشہ دوسرے کے رحم و کرم پر کیوں رہے، خصوصاً وہ غیور قوم جس نے اس دوسری قوم پر آٹھ سو برس تک حکومت بھی کی ہے۔ اور آج بھی وہ زمین کے ایک بہت بڑے حصّہ پر حکمران ہے۔

اس لئے ہم کم از کم یہ چاہتے ہیں کہ آج کل کے اصول کے موافق جن صوبوں میں جس قوم کی اکثریت ہو وہاں اس کی آزاد حکومت ہو۔ پھر

دونوں آزاد قومیں عہد وپیمان اور مضبوط قول واقرار کے ذریعہ اسی طرح سارے ملک کو خوشحال اور پُرامن بنائیں ۔ اور ہر تیسری قوم کو یہاں سے دفع کریں جس طرح دنیا کی دو چھوٹی بڑی آزاد سلطنتیں آپس میں معاہدہ کرکے اپنی بہتری کی کوشش اور اپنے مشترک دشمن کا مقابلہ کرتی ہیں ۔ اُدھر اپنی قوم کے افراد واشخاص میں جو خرابیاں پائی جائیں اپنی قومی طاقت اور اچھی تدبیروں سے ان کی اصلاح کرتے رہیں ۔ یہ نہ کریں کہ اپنے بھائیوں سے خفا ہوکر دوسری قوم کی گود میں جا بیٹھیں ۔ کہ یہ چیز غیرتِ ایمانی اور شرافتِ انسانی دونوں کے خلاف اور اپنی قوم کے لئے سخت ضرر رساں ہے ۔

اب جو مسلم اشخاص یا مسلم جماعتیں ہندو اور مسلمان کو ایک قوم کہتے اور سارے ملک کی ایک مخلوط حکومت چاہتے ہیں وہ سب کانگریس کے ساتھ ملحق ہیں ۔ ان کو ووٹ دینا فی الحقیقت کانگریس ہی کو ووٹ دینا ہوگا ۔ ان کے مقابل جو اُن کو دو مستقل قومیں مانتا ہے اور دونوں کی الگ الگ آزاد حکومت چاہتا ہے وہ لیگ کی طرف رہے گا ۔ آگے اس کا فیصلہ ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ آدمی یہاں کے آپس کے معاملات کو دیکھ کر خود کر سکتا ہے ۔ کہ یہ سب ایک قوم ہیں یا دو اور بیک وقت مکمل آزادی دونوں قوموں کا حق ہے یا صرف ایک کا ۔

عجیب تر بات یہ ہے کہ ہندوستان کے موجودہ وائسرائے لارڈ ویول نے بھی جو برطانوی تاج اور برطانوی حکومت کا سب سے بڑا نمائندہ ہے اوّل ۱۷ فروری ۱۹۴۴ء کو سنٹرل لیجسلیچر میں اس کے بعد ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو بمقام کلکتہ اجلاس ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس میں پھر ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو بموقع دربار راولپنڈی اپنی دوران تقریر میں یہ اشارات کیے ہیں کہ اس ملک کی تقسیم نہیں ہو سکتی اور کوئی بڑا عمل جرّاحی اس پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ مرکز حکومت ایک ہی رہنا چاہیئے۔ نیز ان سے پہلے وائسرائے لارڈ لن لتھگو نے ۱۷ دسمبر ۱۹۴۲ء آل انڈیا ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس منعقدہ کلکتہ میں یہ ہی بات اجمالاً کہی تھی۔ گویا اس وقت صورت حال یہ ہوئی کہ کانگریس وائسرائے اور کانگریس کی حامی جماعتیں سب ایک طرف وحدانی حکومت کے حامی ہیں۔ مسلم لیگ تنہا ان سب کے اجتماعی نظریہ کے بالمقابل کھڑی ہے۔ کیا ان حالات میں آپ پسند کریں گے کہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دیکر کانگریس کی جرّاحوں اور حکومت برطانیہ کے سب سے بڑے نمائندے کے اشاروں کی تائید و حمایت کریں۔

ایک ایسی بات اور سوچنے کی ہے (پاکستان (یعنی مسلم قوم کی حصہ رسدی آزادی) پر جس قدر اعتراضات قوم پرست مسلمان کر رہے ہیں۔ وہ سب ان سے پہلے ہندوؤں کے اخباروں اور لیڈروں نے

کئے ہیں۔ جن میں سے اکثر کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان سے صرف مسلم قوم کا نقصان ہے ہندوؤں کو کچھ ضرر نہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں (اپنے ضمیر کی آواز سے دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے) کہ کیا واقعی آپ کے نزدیک ہندوؤں کو اس قدر بے قراری اور اضطراب اور درد اس کا ہے کہ گو ہمارا تو فائدہ ہے لیکن پاکستان بننے میں بچارے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔ ہم اپنے فائدے کے مقابلے میں مسلمانوں کا نقصان برداشت کریں اسی لئے تو ہم لاکھوں روپیہ ان جماعتوں کی مدد پر خرچ کر رہے ہیں جو پاکستان کی مخالف ہیں۔ اگرچہ اس خرچہ کا نتیجہ اب تک یہی ہوا ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ یہ ہی ہوگا۔

والذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون۔

کافر لوگ اپنے مال اللہ کے راستے سے روکنے کی غرض سے خرچ کرتے ہیں۔ تو ضرور وہ مال و دولت خرچ کریں گے پھر ان کو حسرت ہوگی پھر ہاریں گے۔

رہی انگریز کی غلامی سے نجات وہ بہر حال دونوں قوموں کے باہمی معاہدہ کے بعد متحدہ و متفقہ کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ پاکستان کی صورت میں بھی نہیں۔

ان تمام صاف اور کھلی ہوئی باتوں کو سمجھ کر بھی اگر کوئی شخص مسلم لیگ کے مخالف کو ووٹ دیتا ہے تو خود اپنے اور اپنی قوم کے آخری انجام کو سوچ لے اور آخرت کی جوابدہی کی بھی فکر کر لے کہ اس نے جان بوجھ کر اپنی قوم کو نقصان پہنچایا اور اسے کفار کی نگاہوں میں رسوا اور ذلیل کیا بنائً علیہ میں ان تمام ووٹ دینے والوں کو جو میرا مشورہ چاہتے ہیں پوری بصیرت سے اور غور و فکر کے بعد یہی مشورہ دوں گا۔ کہ وہ بحالتِ موجودہ صرف مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ دیں اور اس کے خلاف کسی شخصیت اور کسی تعلق کی پرواہ نہ کریں وما علینا الا البلاغ۔

متردین سے خطاب :-

یہاں ایک خلش باقی رہ جاتی ہے جو عموماً مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اور پیدا کرائی جاتی ہے اور پیدا ہونی بھی چاہیئے۔ کیونکہ اس کا منشاء خالص دین اور محض جذبۂ اسلامیت ہے مسلمان ہر چیز کو برداشت کر سکتا ہے لیکن وہ کتنا ہی گنہگار ہو یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ دین اسلام کو کوئی نقصان پہنچتا دیکھے یا ایسے لوگوں کی تائید کرے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ بہر حال جمہور اہل اسلام کا دینی جذبہ کبھی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ دہریوں، بے دینوں، مرتدوں اور باطل پرست فرقوں یا اعلانیہ احکامِ دینیہ سے بے پرواہی برتنے

والوں کی ہمت افزائی کریں یا ان کی بے دینی میں مدد کریں۔

مسلم لیگ کا دروازہ چونکہ ہر مدعیٔ اسلام کے لئے کھلا ہوا ہے اور اس میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے ہیں جو فی الحقیقت مذکورہ بالا گروہوں میں سے بعض کے ساتھ وابستہ ہیں اس لئے بہت سے دیندار مسلمان اس میں کشادہ دلی کے ساتھ شامل ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ بلا شبہ یہ ایک سچا دینی جذبہ ہے جو نہایت قابل قدر ہے اور راقم الحروف خود ایک مدت دراز تک اسی شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے کہ خاصی تاخیر سے میں نے لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا۔ میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا، اللہ سے دعائیں کیں اور استخارے کیے بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی اور وہ حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب السیر الکبیر میں موجود ہے اور آپ جانتے ہوں گے کہ فقہ حنفی کا سارا مدار انہیں امام محمدؒ کی تصنیفات پر ہے۔

اس تصریح کے سننے سے قبل میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں۔ کہ جو کثیر التعداد باطل فرقے زبان سے اسلام کا دعوےٰ کرنے والے اور اس کا کلمہ پڑھنے والے ہیں ان میں خوارج ہی ایک ایسا فرقہ ہے جس سے

پکی اور کھلی کھلی حدیثیں کسی دوسرے فرقہ کے بارہ میں نہیں آئیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس فرقہ کی نسبت کیسے کیسے صاف ارشادات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہما میں موجود ہیں جن میں سے چند الفاظ یہاں نقل کرتا ہوں۔ ان روایات کے حوالے فتح الباری اور فتح الملہم میں دیکھ لئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یمرقون من الدین یمرق السھم من الرمیۃ

وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے اور فرمایا۔

لئن ادرکتہم لاقتلنہم قتل عاد و فی روایۃ ثمود۔

اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کا استیصال کروں گا اور

ھم شر الخلق ۔ وہ بدترین خلائق ہیں ۔ اور ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں اور قد کان ھؤلاء مسلمین فصاروا کفارا۔

پہلے یہ مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے۔ اور

تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو

وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال سب حلال ہے۔ خیال کیجئے کہ آج اس عقیدہ کے موافق کتنے آدمی مسلمان باقی رہیں گے۔ علامہ ابن عابد رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات میں کہتے ہیں۔

یستحلون دماء المسلمین و اموالھم ویکفرون الصحابۃ :۔

وہ مسلمانوں کے خونوں اور ان کے اموال کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور صحابہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر کہتے ہیں۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسے فرقہ سے کسی طرح کے تعلقات رکھنا یا ان کی مدد کر کے ان کی شوکت بڑھانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی جنگ مشرکین بت پرستوں اور مجاہدین کے ساتھ ہو جائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ اُن کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں اُن کی مدد کریں۔ کیونکہ وہ اس وقت کفر (صریح) کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقشِ اسلام کو ظاہر کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں۔ اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا ان کا مقصد ہے۔ خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی اس سے ہٹے ہوئے ہوں۔ اس لئے کھلم کھلا کلمۂ اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ پر ان کا لڑنا محض اسلام کے نام اور

اس کے کلمہ پر لڑتا ہے۔ لہذا ان کی مدد کی جا سکتی ہے۔ غور کیجئے کہ خوارج کی یہ امداد کیا ان کی تقویت کا سبب نہ بنے گی۔ مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نقشِ اسلام کے نام سے چڑتے ہیں۔ اور کلمہ سے علانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعیٔ اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملتِ اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لئے ایک آئینی جنگ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان چند باطل پرستوں کی تعداد اہلِ حق کی نسبت عشر عشیر نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم لیگ اس کا فتویٰ دے رہی ہے کہ وہ کل آدمی جو لیگ میں شامل ہوں فی الواقع اور عند اللہ بھی مؤمن یا مسلم ؟ ۔ اس نے اپنے دستور میں اعلان کر دیا ہے کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ اس میں شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اس کا کلمہ پڑھتا ہو، کیونکہ مسلم لیگ

کوئی مفتیوں کی جماعت نہیں۔ علماء کے فتاوی اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔ صرف غیر کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قدرے توسیع کیا گیا ہے گو واقعتہً اس قدر توسیع بھی مستحسن نہ ہو۔ تاہم مسلم لیگ سے کنارہ کشی کے لئے یہ عذر نہیں بن سکتا۔ اب اس کے بعد تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح پہلے ۳۶ء میں آچکے تھے۔ اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اس چیز کی اصلاح کریں۔ اور فاسد عناصر سے اس کو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں۔ نہ یہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہو کر دشمن کے کیمپ میں شامل ہو جائیں۔ اگر آج تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آجائیں۔ تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑے گا۔ اور اس طرح تمام ہندوستانی مل کر آپس کے معاہدات کے ماتحت بیرونی طاقت کی غلامی سے تھوڑے وقت میں بآسانی نجات حاصل کر لیں گے۔

ادھر لیگ کے موجودہ رہنما اور قائدین جو غلطیاں علماء اسلام کے نزدیک دین سے بے خبری یا لاپرواہی کی بنا پر کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔ ان کے تدارک کی بھی واحد صورت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اثر و رسوخ لیگ میں بڑھائیں یعنی یقین

رکھتا ہوں کہ عامۃ المسلمین اور بہت سے اونچے طبقہ کے حضرات کی طاقت ایسی اصلاحی آواز کی پوری قوّت کے ساتھ تائید کرے گی۔

اب میں آخر میں بطور اتمام حجت بمقتضائے الدّین[1] النصیحۃ مسلم لیگ کے ممتاز اور ذمہ دار قائدین کو ایک خادم دین کی حیثیت سے نہایت خلوص قلب کے ساتھ ہی صلب کرنا چاہتا ہوں۔

ذمہ دار قائدین لیگ سے خطاب :-

مسلم قوم کی تنظیم۔ نصب العین کی وحدت ہندی مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال اور ان کی مرکزیّت کو مضبوط تر بنانے کے لئے آپ حضرات نے جو خدمات جلیلہ انجام دیں وہ یقیناً لائق تبریک و تحسین ہیں۔

ہر فرد مسلم جسے اس نازک ترین دور میں، ملت کی اجتماعی ضروریات کا صحیح احساس ہے۔ آپ کے لئے جذبات امتنان اپنے قلب میں موجزن پاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نازک موقعہ پر جبکہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ علماء ربانیین سے لیگ کی دستگیری اور حمایت کی پر زور اپیل کر رہے ہیں۔ چند اہم امور کی طرف بروقت آپ کی توجہ منعطف کرانا بھی

---

[1] دین خیر خواہی کا نام ہے۔

ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ علماء کرام کی ایک معتدبہ جماعت نے خصوصاً جمعیتہ علماء اسلام کے اصل مطمح نظر کو تقویت پہنچانے کے لئے جو آواز بلند کی ہے اس کا مقصد نہ آپ کو خوش کرنا ہے اور نہ محض لیگ کے بڑھتے ہوئے اقتدار میں حصہ دار بننے کے لئے اس کے ساتھ اپنے دامن کو وابستہ کر دینا ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ ایک صحیح اصول کی تائید و حمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے۔ مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ بلکہ فرض کر لیجئے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے اس نے آج اختیار کر رکھا ہے۔ تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا۔ کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اسے غلط کہنے لگیں۔

حق کہنے والے کو اکیلا رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئیں گے۔ جن کا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی ہوں گے۔ بلکہ بعض وہ ہوں گے جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہ معاذ اللہ حق پر نہ تھے۔ بہر حال آپ کو یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم حق کی محض حق کے لئے حق سمجھ کر تائید کر رہے ہیں۔ جس سے بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ

کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے کامیابی عطا فرما دے اور پاکستان قائم ہو جاوے تو آپ اور قائدین لیگ اپنے حسب ذیل مشتہرہ اعلانات کے صدق دل سے پابند رہیں۔

لیگ کے سب سے بڑے قائد مسٹر محمدؐ علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی کے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا۔

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی"

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقعہ پر انہوں نے ہزارہا مسلمانوں کی موجودگی میں نہایت تاکید سے فرمایا تھا۔ کہ "قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت پناہ، ملجا و ماویٰ اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے۔ ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں"

اسی طرح کی نصیحتیں علیگڈھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ پھر ستمبر ۱۹۴۵ء گذشتہ عید کے موقعہ پر جو پیغام انہوں نے دیا وہ بہت ہی مفصل و مشرح تھا۔ اس کا ایک جملہ

یہ تھا کہ "ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قران پاک کی تلاوت کیا کرے تاکہ احکام الٰہی سے واقفیت ہو۔ اور ان پر عمل کرنے سے دنیاوی معاملات میں خیر و برکت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔" ابھی حال میں جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے بمقام پشاور بموجودگی ارکان عہدہ داران مجلس عمل اعلان فرمایا کہ "پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

چنانچہ انہی اعلانات سے متاثر ہو کر جناب ارباب عبدالغفور خاں صاحب خلیل مع جملہ افغانان جرگہ سرحد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ مذکورہ بالا اعلانات کی روشنی میں مجھے کہنے دیجئے کہ قرآن حکیم کی ہدایت و احکام پر عمل کرنے کے لئے کچھ قیام پاکستان کی ضرورت نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو پاکستان کا ملنا احکام شرعیہ اور تعلیمات قرآنیہ

ـه جناب نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ نے جو اپیل علما سے لیگ کی حمایت کے لئے کی ہے اس میں فرماتے ہیں: لیگ کا نصب العین پاکستان ہے اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین اسلام کی سیاسی آزادی بہ بنیاد شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کر دے۔
منشور ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء

پر استقامت کے ہمارے عمل در آمد رکھنے کا ثمرہ ہوگا۔

فرض کیجئے پاکستان ملے یا نہ ملے۔ جلد ملے، یا دیر سے ملے قرآنی احکام تو کسی وقت بھی معطل نہیں ہو سکتے۔ تا بحد استطاعت ہم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمہ وقت احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے۔ خصوصاً ارکان خمسہ (کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا التزام اور شراب، سود، زنا، قمار غرض تمام منکرات و فواحش سے اجتناب و احتراز بہر صورت لازم ہے اور ان چیزوں کا لزوم جس قدر عامہ مسلمین کے حق میں ہے۔ اس سے زیادہ مؤکد علماء اور قائدین کے حق میں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ان کے ذاتی افعال و اطوار کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ اور ان کی صلاح و تقویٰ سے قوم کا مزاج درست ہوتا ہے اور اس طرح پوری قوم حق تعالیٰ شانہ کی نصرت و حمایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ پھر خداوند قدوس کی نصرت اگر حاصل ہو جائے تو تمام مخالف خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں (ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ و علی اللہ فلیتوکل المومنون) اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے ؎

ان کے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الفتِ احمدؐ کو نہ چھوڑے اکبرؔ منحصر ہے انہیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

میں نے جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کیا ۔ اجمالی طور پر دو آیتیں ہماری انفرادی و اجتماعی کامیابیوں کے لئے کافی ہیں ۔ انہیں کی تفصیلات قرآن کریم کے بہت سے مقامات میں پھیلی ہوئی ہیں ۔

ایک آیۃ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لانفسکم ومن یوق شح نفسہٖ فاولئک ھم المفلحون (التغابن پ ۲۸)

دوسری آیۃ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدوّ اللہ یوفّ الیکم وانتم لا تظلمون (انفال پ ۱۰)

حق تعالیٰ کی شفقت و حکمت کو دیکھئے کہ دونوں جگہ استطاعت کی شرط کی تصریح فرما دی ہے ۔ تاکہ استطاعت کی حد تک تو کوشش میں بندے کمی نہ کریں اور جو ہماری استطاعت سے باہر ہو ۔ اس کے فقدان سے بیدل اور مایوس نہ ہوں ۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے یکسوئی کی ساعتوں میں غور فرمائیں گے تو منکشف ہو جائے گا ۔ کہ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے ۔ ہم کو بعد پاکستان کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے ۔ اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف اُن امور کا خوگر بنانا ہے جو زیادہ

وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہوں گے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض (یعنی اسلامی حکومت) کی کیا غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ سنیئے الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ اگر ابھی سے ہم نے ان چیزوں کی عادت نہ ڈالی تو اُس وقت ہمارا انظام کیسے درست ہو گا۔ اگر ہم آج ہر شعبۂ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے کشادہ دلی سے گردن ڈالنا نہ سیکھیں گے تو کل کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم دوسروں کو ان فیصلوں کی طرف دعوت دیں گے۔ تو لوگ ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا التسلیما۔ ہم اس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں۔ آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہے گی۔ بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہو گا۔

کیا آپ حضرات اپنے ایک مخلص بھائی کی استدعا پر توجہ فرمائیں گے۔ خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے عملاً قرآنی احکام

کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کر دی تو موجودہ تحریک میں بے حد و حساب زور پیدا ہو جائیگا - اور رفتہ رفتہ عوائق و موانع اللہ کی مدد سے سب دور ہوتے چلے جائیں گے قرآنی احکام کا لفظ استعمال کرتے وقت یہ واضح رہنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع اور آپ کے ارشاداتِ گرامی کا امتثال بھی اسی لفظ کے تحت میں آجاتا ہے بلکہ سلف صالحین کے طور و طریق کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایسی چیز پر نظر اور اس کی تلاش کرتے تھے کہ کسی قسم کے پیش آنے والے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا - کیونکہ وہ حضور کے مبیّن و شارح قرآن ہونے کی حیثیت کو بخوبی سمجھتے تھے - پھر یہ چیز بھی محالات عادیہ میں سے ہے کہ کسی معاملہ میں قرآن کا کوئی حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تشریع صدیاں گذر جانے پر بھی امتِ مرحومہ کی سمجھ میں نہ آئے - اور مرورِ دہور کے باوجود امت کے تمام اہل علم اور آئمہ مجتہدین باوجود انتہائی جدوجہد اور غایت شغف و احتیاط کے ساتھ اس کی صحیح مراد سے (معاذ اللہ) جاہل رہیں۔ کسی حکم شرعی کے متعلق جس پر عمل پیرا ہونے کی امت کو ہدایت

ہو ایسا خیال کرنا گویا قرآن مبین کو چیستاں بنا دینا ہے۔

بناءً علیہ میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک ادنےٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پر زور طریق پر دعوت دیتا ہوں۔ کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سراً وعلانیۃً پابندی فرمائیں۔ اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنائے جانے کی اجازت نہ دیں گے جو ہمارے پرسنل لا، اور شرعی معاملات کے بارہ میں علماء اسلام کے طے کردہ فیصلے کے خلاف ہو۔ اور اس طرح غلطیاں نہیں کی جائیں گی۔ جو ماضی میں بعض احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپرواہی کی بنا پر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر خدانکردہ ایسی غلطیوں کا صدور ہو تو یہ چیز عامہ مسلمین کے لئے ناقابل برداشت ہو گی۔ اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو مقصد لیگ کی حمایت اور اس کے حق میں ووٹ دینے کا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ بہر حال ہم سب کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہئیے کہ اس سلسلہ میں ہم عند اللہ وعند الناس ماخوذ نہ ہوں۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ ایک بے لوث مخلص کی گذارش پر اسی اسپرٹ میں

نظر کریں گے۔ جس میں وہ پیش کی گئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ حاکیا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

خاتمۂ کلام پہ ایک اور ضروری چیز پر تنبیہ کرنا ہے۔ وہ یہ کہ آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم اور استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیئے۔ اور ساتھ ہی اس کے نام کی لاج رکھیئے۔ دیکھئے یہ مسلم لیگ ہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ (مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں) جو لوگ آپ کے سیاسی افکار کے مخالف ہیں اُن سے بھی آپ کا معاملہ شرافت، صبر و تحمل اور حسن و اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ گو دوسری طرف سے کچھ زیادتی اور اشتعال انگیزی بھی کی جائے۔ بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر اس کے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں تو میں اس پر اظہار بیزاری کئے بدون نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو۔ ان کا علم و فضل بہر حال مسلّم ہے۔ اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی عزیمۃ و ہمت اور ان تھک جد و جہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے۔

اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں۔ کیا کروں علماء نے لکھا ہے کہ مومن اپنے ایمان میں تردد تو نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی سیاہ کاریوں کے پیشِ نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم سی آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

گو دعویٔ تقویٰ نہیں درگاہِ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں

اب میں آپ حضرات کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ اور دعا پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں۔

اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین ط والحمد للہ رب العالمین۔

العبد شبیر احمد عثمانی۔ دیوبندی۔ ۳۰؍ دسمبر ۱۹۴۵ء

کتب خانہ
داخلہ نمبر ----
قیمت ----
ادارہ ادبیات اردو پنجہ گٹہ حیدرآباد

اللہ اکبر

پیغام

شیخ الاسلام، امام المفسرین، رئیس المحدثین حضرت علامہ
شبیر احمد عثمانی مدفیوضہم، جانشین حضرت شیخ الہند
سابق صدر مہتمم دار العلوم دیوبند واستاذ وحال شیخ الحدیث والتفسیر
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سورت

بنام مؤتمر کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام۔ کلکتہ
منعقدہ ۱۸-۱۹-۲۰-۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶/۲۷، ۲۸/۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء
بمقام محمد علی پارک کلکتہ

ہاشمی بکڈپو۔ لاہور

(تعلیمی پریس لاہور میں باہتمام خواجہ محمد عبد اللہ پرنٹر چھپوا کر حمایت حسین پبلشر نے
ہاشمی بکڈپو لاہور سے شائع کیا

اسلام کا دو قوموں کا نظریہ، اسلامی قومیت کا بحرِ ناپیدا کنار، مسلم لیگ اور پاکستان پر مجتہدانہ تبصرہ

۱۔ "سب سے زیادہ اشتعال انگیز جھوٹ یہ ہے کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی مستقل قومیت کا انکار کر دیا جائے"۔

۲۔ "میں زمانۂ دراز کے غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنی چاہیئے"۔

۳۔ "اگر اس وقت مسلم لیگ ناکامیاب ہو گئی تو شاید پھر مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہیں ملے گا"۔

۴۔ اس لیئے وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں"۔

۵۔ "مسٹر محمد علی جناح سیاستِ حاضرہ کے داؤ پیچ

سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے۔”

۶۔ “پھر وہ نہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتا ہے۔”

۷۔ “الیکشن کے متعلق حضرت علامہ شبیر احمدؒ عثمانی کا تازہ بیان۔”

۸۔ “مسلم لیگ کی تائید میں آل انڈیا جمعیتہ علمائے اسلام کی کانفرنس کی چند اہم تجاویز۔”

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

آج ہم بصد شکر و امتنان شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی جانشین حضرت شیخ الہندؒ کا وہ ایمان افروز پیغام اور مکتوبات گرامی شائع کرتے ہیں جو ملت اسلامیہ ہند کے لئے تحریک استقلال کی تاریخ میں ایک باب فتح و کامرانی کے عنوانِ زریں کی حیثیت رکھتے ہیں حضرت علامہ موصوف بہ نفسِ نفیس آل انڈیا جمعیتہ علمأ اسلام کانفرنس میں شرکت کے آرزومند تھے، کیونکہ دفاعِ دین و ملت سے متعلق احساس فرض نے آپ کو بے چین و مضطرب کر کے گوشۂ عزلت سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن حضرت علامہ ایک عرصہ سے سخت علیل ہیں اور گو پہلے سے اب رُو بصحت ہیں تاہم ایامِ اجلاس (اواخر

اکتوبر ۴۵ء) میں طویل سفر کا تحمل نہیں فرما سکتے تھے۔ بنابریں حضرت علامہ مدظلہٗ نے اپنے ایک نمائندہ خصوصی حضرت مولانا ظہور احمد سابق استاذ دار العلوم دیوبند کو خاص طور پر اپنی طرف سے آل انڈیا جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجا۔ یہ نمائندہ خصوصی دیوبند سے ۲۷؍ اکتوبر ۴۵ء کو سہ پہر کے وقت کلکتہ پہونچے اور اسی شب کو یہ پیغام حضرت مولانا متین صاحب فاضل دیوبند و خطیب انبالہ چھاؤنی (برادر حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہٗ) نے نہایت بلند صاف اور دلنشین آواز میں پڑھ کر سنایا۔ عظیم الشان پنڈال، سارا محمد علی پارک اور اطراف و جوانب کے علاقے مسلمانوں سے معمور تھے۔ پیغام نے ایک عالم بے خودی پیدا کر دیا۔ عجیب محویت و کیفیت سبھوں پر طاری ہو گئی، بار بار نعرہ ہائے تکبیر و علامہ شبیر احمد عثمانی زندہ باد بلند ہوتے رہے۔ اکثر جملوں کو مکرر پڑھنے کی درخواست ہوتی رہی اور تقریباً پون گھنٹہ تک،

اجلاس کی کوئی کارروائی نہ ہو سکی، پنڈال کے ہر گوشہ سے لوگ اس کے خیر مقدم کیلئے وفورِ جوش سے اُبلتے رہے اور اس کے شائع کرنے کے لئے چندہ پیش کرنے لگے۔ ایک صاحب نے بنگلہ ترجمہ و اشاعت کا ذمہ لیا اور دوسرے بزرگ نے گجراتی میں۔

میں لاکھوں مسلمانوں کی طرف سے اور کُل ہند جمعیتہ علمائے اسلام کانفرنس کی طرف سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہٗ کی خدمت میں مخلصانہ شکریہ عرض کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ملت کی رہنمائی کے لئے حضرت کو صحت و قوت مرحمت فرمائے۔ آمین۔

احقر
سید محمد قریش (شمسی) غفرلہٗ، ناظم
کل ہند جمعیتہ علمائے اسلام کلکتہ۔ ۷ر نومبر ۴۵ء

بیت الفضل - دیوبند

ضلع سہارنپور - یو - پی -

۷۸۶

بخدمت محترم المقام جناب ناظم صاحب جمعیتہ علماء اسلام کلکتہ دامت مکارمہ!

بعد سلام مسنون آنکہ - میں بوجہ معذوری خود حاضر نہ ہو سکا - ایک مختصر پیغام بھیجنے کا خیال ہوا - مگر لکھنے بیٹھا تو بلا ارادہ بہت طویل ہو گیا - صاف کرانے میں دیر لگی - ڈاک سے روانہ ہو سکتا تھا - اس لئے مجبور ہو کر ہمدست مولانا ظہور احمد صاحب مرسل ہے - مولانا موصوف خود دیوبند کے فضلا میں سے ہیں - مناسب تو یہ تھا کہ دعوت نامہ اُن کے نام منتقل آتا - مگر یہ نہ ہوا - میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگر جاؤں تو اپنے ہمراہ لے جاؤں مگر اذا فات الشرط فات المشروط - اب دونوں حیثیتوں کا لحاظ

کر کے ان کو روانہ کیا جاتا ہے۔

یہ مضمون اگر رسالے کی صورت میں وہاں سے شائع کرایا جائے تو زیادہ تعداد میں پوری تصحیح کے ساتھ بلا کمی بیشی شائع ہونا چاہیئے۔ اور اس کی کم از کم ایک سو کاپیاں یہاں میرے پاس بھیجدی جائیں، ممنون ہونگا۔ والسلام

شبیر احمد عثمانی از دیوبند
۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۵ء - ۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

پیغام

بنام آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ

ایڈیٹر عصر جدید کا نوٹ} ذیل میں ہم آج حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ کا روح پرور پیغام درج کرتے ہیں جو کل ہند جمعیتہ علماء اسلام کے اجلاس کلکتہ میں پڑھکر سُنایا گیا اور جس کی خالص اسلامی رُوح اور دلنشین نکات زبردست دلائل اور سچے مسلم دل سے نکلی ہوئی اپیل ہزار دل ہزار نشتر بنکے اجلاس کے دل و دماغ پر چھا گئی۔ پیغام سُنائے جانے کے وقت اس عظیم الشان مجمع کی محویت کے نظارہ میں جو حلاوتِ ایمانی خود اس اجتماعِ عظیم کے ہر ہر فرد نے محسوس کی اس کا اندازہ کوئی بیان کرنے والی زبان بیان نہیں کر سکتی ٹھیک ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ برسوں اور مدتوں کی سوکھی اور پیاسی زمین پر بڑی امید، بڑے انتظار اور بڑی تمنّا

کے بعد غیر متوقع طور پر یکبارگی بارانِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ ہم اس پیغام کو درج کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اس کو بار بار پڑھیں دوستوں کو سنائیں۔ اور اس پمفلٹ کو اُس ذیلی برِ اعظم کے طول و عرض اور شمال و جنوب کے گوشہ گوشہ میں ہر ہر مسلم گھر میں پہنچا کر دم لیں۔

عصرِ جدید کلکتہ مورخہ ۳۰؍ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"میں آپ کی کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا اس کا افسوس ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیتہ العلماءِ ہند دہلی بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اس کے اخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ جدید جمعیتہ علماء اسلام عملی لحاظ سے تجربہ کی کسوٹی پر کتنی کھری ثابت ہوتی ہے۔

جمعیتہ علماء اسلام کا خیر مقدم

بہر حال اگر وہ اپنے اعلانات کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راستہ پر گامزن رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ انصاف پسند اور حق پرست علماء اسکے ارادوں میں

بیش از بیش تعاون اور شرکت نہ کریں۔ اسی اُمید کے ساتھ ہم اس کی اصلاحی و ارتقائی اولوالعزمیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اسلام کا دو قوموں کا نظریہ

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اس وقت جاری ہے۔ میرے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ تنفر بلکہ اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندانِ اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کر دیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلط یا صحیح طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرزِ تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن خاتم الانبیاءُ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیرِ جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیشِ نظر، اللہ

سے پیدا کیئے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کر دی گئی جس کے احاطہ سے کوئی فرد بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطر ہستی کی صحیح معرفت حاصل کر کے اسکے مکمل اور آخری قانون کو اس کی زمین پر رائج کرنے کا التزام کر لیا ہے، وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے اپنے اوپر ایسا التزام نہیں کیا اُسکا شرعی نام کافر ہوا۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ۔

یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضور سے پہلے بھی تھی۔ لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ اسی لئے ان کی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیۃً مٹائے نہیں جا سکتے تھے۔

البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر العالمین کی بعثت عامہ نے جو کسی ملک و خاندان یا زبان و مکان سے مقید نہ تھی

ان تمام چھوٹے چھوٹے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کر دی جن کو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت و کرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسلامی قومیت کا بحرِ ناپید کنار

اسے آپ یوں خیال کیجئے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا، گنگا، جمنا، نربدا، اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہونچ کر اپنی ہستیوں کو سمندر کی بڑی ہستی میں اس طرح گم کر دیتے ہیں کہ وہاں اُن کا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اُسی طرح دُنیا میں وطنی، نسلی، لونی حرفتی اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو سینکڑوں قومیں سہولت تعارف کے لئے اپنی اپنی جگہ موجود اور قایم ہوں

پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہو جاتی ہیں جہاں ان کے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم ہو جاتے ہیں ۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد جہاں سر بہ جیبِ عدم درکشد

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے ۔ عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَقِیَ رَکباً بِالروحاءِ فَقَالَ مَنِ القوم ۔ قَالُوا المُسلِمُونَ فَقَالُوا مَن اَنتَ قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ صحیح مسلم ۔ مصری طبع جدید صفحہ ۹۹/۹

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا کہ تم کون قوم ہو ۔ جواب میں انہوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حجازی یا نجدی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں ۔ اُن سب سے زیادہ قبائلی تعصب و غرور رکھنے والے ملک میں ان کا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں ۔ حالانکہ اُس

وقت تک انہوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سبب بُت ٹوٹ چکے تھے اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت ان کے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبۃ فارسی کے قصہ میں جو آپ "وانا الغلام الفارسی" کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اُس نے آپ کی تنبیہ کے موافق "وانا الغلام الانصاری" کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی۔ اس کا راز بھی یہی تھا کہ مسلمان کی نظر میں قومیت کی تانسبیں بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالاتِ دین پر ہونی چاہیئے۔

متحدہ قومیت کا تخیل باطل اور خلافِ اسلام ہے

اس اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کُل غیر مُسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنی میں بن سکے۔

لغوی توسعات سے ہم کو بحث نہیں۔ اسی لئے وہ معاہدہ جو صحابہ اور یہود مدینہ میں ہوا تھا، اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق قوم واحدہ کا لفظ نہیں۔ محض "امۃ واحدہ" کا لفظ استعمال ہوا تو صاحب لسان العرب کو اس پر متنبہ کرنا پڑا کہ یہ اطلاق توسعاً ہے۔ حالانکہ اگر اس کو بالفرض حسبِ زعم بعض فضلاء قومیت متحدہ قرار بھی دیا جائے تو اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ جسے عموماً استدلال کے وقت نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، یہ تھی کہ اگر کسی معاملہ میں فریقین (مسلمان اور یہود) کے مابین نزاع ہو گی تو آخری فیصلہ وہ ہو گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادر فرمائینگے۔ کیا قومیتِ متحدہ کے علمبردار آج کوئی ایسی شرط ماننے یا منوانے کے لئے تیار ہیں؟

دس کروڑ مسلمانانِ ہند ایک مستقل قوم ہیں

بہر حال ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ایک

مستقل قوم ہیں ۔ اس قوم کی وحدت اور شیرازہ بندی کیلئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مستقل مرکز ہو جہاں سے اس کے قومی محرکات اور عزائم فروغ پا سکیں اور جہاں سے وہ مکمل آزادی اور مادی اقتدار کے ساتھ اپنے خدائی قانون کو بے روک ٹوک نافذ کر سکے بلکہ اس بے مثال قانون عدل وحکمت کا کوئی عملی نمونہ قایم کر کے دنیا کو وہ مشعلِ ہدایت دکھا سکے ۔ جس کی آج ہمیشہ سے زیادہ دنیا کو ضرورت ہے ۔

اس نصب العین کا جتنا حصہ جس حد تک ہماری قدرت میں آ سکے اور آتا جائے اس سے تغافل برتنا نہیں چاہیے ۔

بحالاتِ موجودہ جو اصولِ سیاست دنیا میں رائج ہیں ان کے ماتحت ہم صرف ان صوبوں میں اس مقصد کی کوئی قسط حاصل کر سکتے ہیں ۔ جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے ۔

پاکستان کا غیبی اشارہ

یہ بھی اللہ کی عجیب قدرت و حکمت کی نشانی ہے کہ باوجودیکہ مسلمان اس ملک میں مجموعی طور پر دوسری اقوام سے کم تعداد میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمی کو ملک کے تمام صوبوں میں مساوی نسبت پر تقسیم نہیں کیا، بلکہ بعض صوبوں میں جو جغرافیائی حیثیت سے اہم بھی ہیں، ہم کو دوسروں کے مقابلہ میں اکثریت عطا فرمادی ہے یہ گویا قدرت کی طرف سے پاکستان قائم کرلینے کے امکان کی طرف ایک غیبی اشارہ ہے۔ بہر حال اس کا نام پاکستان رکھو یا حکومت الٰہیہ یا اور کوئی کچھ۔ اتنی بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان ایک مستقل قوم ہیں اور ان کے لئے ایک مستقل مرکز کی ضرورت ہے۔ جو اکثریت و اقلیت کی مخلوط حکومت میں کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہاں کی دونوں قوموں کے مناقشات کا حل بھی اسی توازن کے قایم کرنے میں ہے کہ دونوں کو اپنے اپنے مستقر اور مرکز میں پوری آزادی نصیب ہو اور اس طرح طبعی طور پر دونوں آزاد ریاستیں اپنی اپنی اقلیتوں کے تحفظ کا انتظام درست رکھنے پر مجبور ہوں۔ دونوں مل کر معاہداتی سسٹم کے ماتحت پورے ملک کو خوشحال اور پرُامن رکھنے کی جدوجہد کریں اور باہمی تعاون سے ملک کو ہر جہتی ترقی دینے میں کوشاں ہوں۔

اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہو اور یہاں کی اکثریت نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی تنگ نظری۔ تعصب اور تاریک ترین پست خیالی نہ چھوڑی تو ملک کے لیے آزادیٔ کامل کی توقع رکھنا اپنے نفس کو خود فریب دینا ہے۔ جذباتی لوگ جو چاہیں کہتے رہیں۔ حقیقت پسند جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایسی امیدیں باندھنا شیخ چلّی کے منصوبوں سے کم نہیں۔ الحاصل آج مسلم

قوم سے یہ توقع ہرگز نہ رکھیئے کہ وہ انگریز کی سنگل اور اضطراری غلامی کے مقابلہ میں انگریز اور ہندو کی ڈبل اور اختیاری غلامی کو ترجیح دے گی۔

مُسلم لیگ اور مسٹر محمد علی جناح

مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر آل انڈیا مسلم لیگ مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں کھڑی ہوئی ہے۔ کل وہ جو کچھ بھی تھی مگر آج عامہ مسلمین کی شرکت سے اُسے اپنا صحیح موقف اور صحیح مقام نظر آرہا ہے اور وہ اس کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہے۔ آخر کانگریس بھی تو اپنے آغاز میں جو کچھ تھی انجام میں وہ نہیں رہی۔

بلاشبہ مُسلم لیگ اور اس کے قائدین میں انسانی کمزوریاں ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ہمارے علماء کے نزدیک قابلِ اعتراض ہیں۔ لیکن ضرورت ہے کہ عوام کو تیار کیا جائے اور اچھے اچھے پختہ علماء و زعماء عوام کی

طاقت سے ان کو مجبور کر دیں کہ وہ امانت داری سے اپنے کو اس منصب کا اہل ثابت کریں جو جمہور کی طرف سے ان کو تفویض ہوا ہے۔ جہانتک میں اپنی بساط کے موافق اندازہ کر سکا ہوں مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آج کل کی سیاست کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے۔ پھر نہ وہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتا ہے۔

میں زمانۂ دراز تک ان مسائل کے اطراف و جوانب پر غور کرتا رہا۔ فیما بینی و بین اللہ سب اچھے برے پہلوؤں پر نظر کر کے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس وقت مسلمانوں کو حصول پاکستان کی خاطر مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ حصہ لینا چاہیے۔ میں یہ گمان کرتا ہوں کہ اگر اس وقت مسلم لیگ ناکامیاب ہو گئی تو پھر شاید مدت دراز تک مسلمانوں کو اس ملک میں پنپنے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لیے وقت کی ضرورت یہ ہے

کہ مسلمان مسلم لیگ کے بازو مضبوط کریں اور ساتھ ہی عوام مسلمین ہر قدم پر مختلف عنوانوں سے یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم نے زعمائے لیگ کا ساتھ اپنے دین اور اپنی اصلی قومیت کی حفاظت کے لیئے دیا ہے۔ اور تمام دینی معاملات میں ہم حاملین دین اور علمائے ربانیین کی آواز کو سب آوازوں پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر خدا نہ کردہ ایسا نہ ہوا تو ہم انشاء اللہ ایسے فاسد عناصر سے لیگ کو صاف کرکے دم لیں گے۔ واللہ الموفق۔

مسلم آزادی اور طوطا۔ اور گربۂ مسکین کی مثال

کہا جاتا ہے کہ مُسلم لیگ، انگریز کی حکومت اور سیطرة آزاد ہونا اور آزادی دلانا نہیں چاہتی۔ بلکہ غیر ذات الشوکة ہی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ اس کے برخلاف کانگریس کا مطمحِ نظر آزادیٔ کامل ہے اور اس کے لیئے وہ بڑی بڑی قربانیاں کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان تو انسان

حیوانات کو بھی آزادی محبوب ہے۔ ایک طوطا جو قفس میں سالہا سال بند رہے۔ جب قفس کا دروازہ کھولئے قید سے نکل کر اُڑ جانے کا خواہش مند ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو کہ پنجرہ کے گرد گُربۂ مسکیں گشت لگا رہی ہے تو قفس کا دروازہ کھلنے پر بھی بجائے باہر نکلنے کے اُلٹا قفس کی تیلیوں کو چمٹنے لگے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نکلنے کی صورت میں اصلی زندگی ہی کا خاتمہ ہے۔

کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان آزادی کے طلبگار نہ ہوں؟ چنانچہ کانگریس کی طرح مُسلم لیگ بھی آزادئ کامل اپنا نصب العین رکھتی ہے۔ لیکن کچھ تو پہلے سے اور زیادہ تر شملہ کانفرنس کے بعد مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہندو کانگریسیوں کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ ان کی اکثریت میں ہم مدغم ہو کر آزادی کامل تو کیا حاصل کرنے اپنی قومی ہستی ہی کو فنا کر بیٹھیں گے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ آخر

قربانیاں کاہے کے لیۓ کریں؟ قربانی کوئی مقصد تو نہیں ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اگر حصول مقصد کی توقع اُس سے نہ ہو بلکہ خلاف مقصد کو تقویت پہنچنے کا اندیشہ ہو تو وہ قربانی کس کام کی؟ بقول اکبر مرحوم ؎

ناچیز ہے سکوں تو طلاطم بھی نہیں کچھ
ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی نہیں کچھ

استعانت بالکفار اور غلبۂ اسلام کی شرط

ہمارے فقہائے حنفیہ نے امام محمدؒ اور امام طحاویؒ رحمہما اللہ سے لے کر علامہ ابن عابدینؒ تک کسی نے اس مسئلہ سے انکار نہیں کیا کہ ایک قوم کے مقابلہ پر دوسرے کفار کو مدد دینا یا ان سے مدد لینا اُسی وقت جائز ہے جبکہ حکم اسلام ظاہر (غالب) ہو۔ یہ اسی لیۓ کہ مسلمانوں کی جانیں اور اموال اسلامی نقطۂ نظر سے بیکار ضائع نہ جائیں۔

صاحب بدایع نے تو یہانتک لکھدیا کہ استعانت بالکفا

علی الکفار ان سے معاہدہ کرنے کے بعد بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ ان کے غدر سے کسی وقت مسلمان مامون نہیں۔ علت یہ بیان کی ہے کہ "فان العداوۃ الدینیۃ تحملھم علیہ"۔ کہ نفس مذہبی عداوت ان کو غدر اور بدعہدی پر ابھارے گی۔ آگے صرف حالت اضطرار کا استثنا فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اضطرار کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے سوا کوئی اور رستہ باقی نہ رہے۔

اب آپ تمام حالات موجودہ کا جائزہ لے کر اندازہ فرمالیں کہ اس وقت ہم اس چیز کے لئے مضطر ہیں یا نہیں۔

سب مل کر لیگ کا پاکستانی راستہ اختیار کرلیں

میری عرض یہ ہے کہ ایک مرتبہ سب مل کر لیگ کا پاکستانی راستہ بھی اختیار کرکے دیکھ لیں۔ کیا بعید کہ سب مسلمان اگر مل کر اور ایک زبان ہو کر اسی چیز کا مطالبہ

کریں تو اسی راستہ سے منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

اللہ کے فضل و رحمت سے امیدوار رہنا چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی اور اجماعی مطالبہ میں وزن پیدا کر دیگا۔ اور فتح و نصرت شاملِ حال ہوگی لیکن اس اجماعی و اجتماعی طاقت کا فراہم ہونا ہی وقت کا دشوار ترین مسئلہ بن رہا ہے اور امتہ مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہر ایک مفید تحریک کے پروان چڑھنے میں یہی خلیج آڑے آجاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار لوگ بلکہ بعض اوقات بعض ناعاقبت اندیش ذمہ دار بھی اس خلیج کو پاٹنے کی بجائے اپنے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے چلے جاتے ہیں۔

حُسنِ اخلاق کی نصیحت

جب ایک جانب سے قائدِ اعظم کی جگہ کافرِ اعظم

اور ملعون و عیار وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ لفظ تیر و نشتر بنکر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا ابوالکلام آزاد یا مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کوئی ناشائستہ اور گستاخانہ معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف اُن کے معتقدین بلکہ ہزارہا اُن مسلمانوں کے قلب و جگر بھی چھلنی ہو جاتے ہیں جن کو اُن حضرات کے سیاسی مسلک سے اختلاف ہے۔ کسی جماعت کے کسی بڑے آدمی یا کسی عالم دین کو اس طرح بے آبرو کرنا یا اس پر خوش ہونا پرلے درجہ کی شقاوت اور حماقت ہے۔ اس سے ساری قوم کی ہوا خیزی، رسوائی، بے عزتی ہوتی ہے اور جو لوگ نیک دلی سے تحریکات میں کسی طرف حصہ لیتے ہیں ان کے لئے یہ چیز ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے۔

پھر یہ منظر دیکھ کر بہت سے لوگ جو کسی طرف آنا چاہتے ہیں وہ اپنے ارادے سے رُک جاتے ہیں۔ اور اندر آئے

ہوئے باہر نکلنے لگتے ہیں۔

تمام جماعتوں کے اعاظم رجال کا فرض ہے کہ پوری توجہ اور قوت سے ایسی رکیک حرکات کا انسداد کریں اور حق تعالیٰ کے اس فرمان کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھیں۔ والذین کفروا بعضہم اولیاء بعض۔ اِلّا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔ ربنا ولا تحمل علینا اصرًا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ۔ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

شبیر احمد عثمانیؒ

از دیوبند

۱۷؍ ذیقعدہ سنہ ۱۳۶۴ھ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبند کا مکتوب جمعیتہ علماء اسلام کلکتہ کے نام

مورخہ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی جمعیتہ علماء اسلام کلکتہ کے نام ایک خط کے جواب کے دوران میں تحریر فرماتے ہیں۔

"بیت الفضل۔ دیوبند" تاریخ ۲۸۔ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ر اکتوبر ۱۹۴۵ء۔

بلاشبہ یہ وقت مسلم قوم کے لئے بہت نازک ہے اور سیاسی کشمکش بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے شاید ایسی فیصلہ کن ساعت یہاں کی صورت حال سے متعلق موجودہ دورِ سیاست میں کبھی پیش نہ آئی تھی جس کا سب سے زیادہ افسوسناک اور رسوا کن پہلو یہ ہے کہ چھوٹی بڑی مسلم پارٹیوں کی باہمی آویزش و تصادم

کا تماشا اغیار دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اسی کو بطور ایک موثر حربہ کے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ بھی عذاب کی اسی قسم میں داخل ہے جس کی طرف او یلبسکم شیعًا و یذیق بعضکم بأس بعض۔ میں اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کوئی تدبیر باہمی اختلاف اور اس عذاب کے پنجے سے نکلنے کی بن نہیں پڑتی آپس کی منافرت بڑھتی جا رہی ہے جو درجۂ عناد تک پہنچ گئی ہے۔ عظیم ترین قومی مفاد کو چھوٹے چھوٹے اور محدود نظریات یا شخصی و جماعتی اقتدار کی خواہش پر قربان کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ قلوب کو بدل ڈالے اور ہر طرف سے ہٹا کر خالص اسلامی نقطۂ نظر پر سب کی توجہات کو مرکوز کر دے۔

ہماری تیرہ بختی دیکھئے کہ آج ہم کو ہندوستان میں یہ دن دیکھنا پڑا ہے جبکہ مسلمانوں کا قومی اور سیاسی

استقلال ثابت کرنے کے لئے بھی دلائل کی ضرورت ہے اور اس استقلال کی مخالفت میں خود قوم کے بعض اعضا ہی سینہ سپر ہو رہے ہیں۔ گویا ان کو اس کا احساس ہی نہیں کہ:۔ ؎

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
لطفِ دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی

بیوفا سمجھیں تمہیں اہلِ حرم اس سے بچو
دَیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی

یہ چند جملے اس وقت بے ساختہ قلم سے نکل گئے ورنہ اس عریضہ کا موضوع یہ نہ تھا۔ بہر حال میں آں مکرم سے امیدوار ہوں کہ میری عدم شرکت کا عذر وہاں کے ذمہ داروں کو پہنچا دینگے۔ بندہ مسلم قوم کی کامیابی اور نصرت کے لئے دعا کرتا اور یقین رکھتا ہے کہ علماء کا وقار اور ان کی افادی شان کا تحفظ صرف اسی صورت میں ہے کہ وہ کسی دوسری جماعت یا عوام کے

تابعِ مہمل بنکر نہ رہیں ۔ اور سچی بات کہنے میں کسی قسم کے خوف و طمع سے متاثر نہ ہوں ۔ والسلام

“شبیر احمد عثمانی از دیوبند”

مطبوعہ عصر جدید ۔ ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء ۔

الیکشن کے متعلق اہم بیان

"مسلم لیگ جس اصول پر الیکشن لڑ رہی ہے وہ شرعی اور عقلی حیثیت سے بے غبار ہے"

"اگر الیکشن میں لیگ ہار گئی تو ایک سچا اصول ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے گا"

"اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم کی تشکیل ہے جو وطن، نسل، رنگ اور پیشے سے بالا ہو"

جانشین شیخ الہند مفسر قرآن حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا بصیرت افروز بیان

آج کل الیکشن کی ہما ہمی بہت زوروں پر ہے۔ اس معاملہ میں اصل بات تو یہ ہے کہ مجھے کچھ خاص دلچسپی نہیں ہے

کونسلوں کے متعلق جس مسئلہ پر ہم نے بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال پہلے دستخط کئے اور بحثیں کی ہیں۔ اس سے کسی وقت رجوع نہیں کیا۔ لیکن ہندوستان بلکہ دنیا میں جو طرزِ حکومت آج رائج ہے اس کی لپیٹ میں طوعاً یا کرہاً سب آرہے ہیں۔ بہت مشکل ہے کہ دریا کی موجوں میں گھر کر تر دامنی سے اپنے کو بچایا جائے۔ اب جبکہ لوگ ناگزیر طور پر الیکشن میں مبتلا ہو گئے یا مبتلا کر دیئے گئے تو دیکھنا یہ ہے کہ کونسا پہلو قومی حیثیت سے ہمارے حق میں مفید تر اور باعتبار نتائج کے محفوظ و مامون ہے۔ نہ میں کوئی مُفتی ہوں جو فتویٰ لکھ بھیجوں اور نہ ماہر سیاست ہوں جو ایسے امور کا لیڈرانہ فیصلہ کر سکوں۔ ہاں اسلامی برادری کا ایک ادنیٰ جُزو ہونے کی حیثیت سے اپنے اندازۂ علم و فہم کے موافق سوچ سمجھ کر جو رائے قائم ہوئی ہے اپنے مخلصین کے پیہم اصرار پر بطور مشورہ عرض کر دیتا ہوں بہت چاہتا تھا کہ اس معاملہ میں بالکل خاموش رہوں لیکن کچھ تو لوگ خاموش رہنے نہیں

دیتے تھے اور کچھ اس وقت یہ دردناک منظر دیکھ کر کہ دس کروڑ مسلمانوں کی قومی اور سیاسی استقلال کی روح کو کیسی سنگدلی سے مسلمانوں ہی کی چھری سے ذبح کرایا جا رہا ہے بالکل خاموش رہنا گوارا نہ ہوا۔ بنابریں مسائل حاضرہ کے متعلق اپنے ناچیز خیالات ایک قدرے مفصل پیغام کے ذریعہ جو جمعیۃ العلمأ اسلام کلکتہ کے نام لکھ کر بھیجا ہے۔ پیش کر دیئے ہیں۔ وہ پیغام انشاء اللہ عنقریب پریس میں آجائیگا۔

اسلام کا مقصد

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کا مقصد اہم اپنے پیروؤں کے ذریعہ ایک ایسی قومیت کی تشکیل کرنا ہے۔ جو وطن نسل، رنگ، پیشہ اور مختلف اقوام کی قائم کردہ معاشرتی و تمدنی خصائص سے بالاتر ہو۔ ہندوستان میں چونکہ اس عظیم الشان قوم کے عناصر اس قدر عظیم ترین تعداد میں موجود ہیں جسکی نظیر کسی دوسرے خطے میں نہیں مل سکتی۔ اس سے نئے اشد

ضروری ہے کہ یہاں اس قوم مسلم کا کوئی آزاد اور مستقل مرکز ہو۔ ایسے مرکز کا قیام دنیا کی موجودہ سیاست کے اصول مروجہ کے ماتحت صرف ان ہی صوبوں میں ممکن ہے جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو۔ اس مرکز کا نام اصطلاحی طور پر "پاکستان" یا کچھ اور ہو۔ بہر حال اسکے قیام سے یہ غرض نہیں کہ خواہ مخواہ ہمسایہ اقوام سے لڑائی مول لی جائے۔ بلکہ ایک مناسب منصفانہ اور معتدل تقسیم کے ذریعہ یہاں کے روزانہ پیش آنے والے فروعی مناقشات کا بڑی حد تک سدِ باب مقصود ہے اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آزاد اور طاقتور مرکز سے کسی دوسری قوم کے ساتھ صلح یا جنگ کی جو کچھ تجویز ہو گی وہ طاقتور موثر اور منظم ہو گی اور پورا ملک ہند جو فوائد وفاقی حکومت سے حاصل کرنا وہ "پاکستان" اور "ہندوستان" کے نہایت مستحکم معاہداتی سسٹم سے کر سکے گا۔

آنے والا الیکشن

آنے والا الیکشن چونکہ مسلم لیگ اسی اصول پر لڑنا چاہتی

ہے۔ اور دوسری جماعتیں اس کے توڑ پر ہیں۔ اس لیے اگر بعض ووٹ دینے والے مجھ سے مشورہ چاہتے ہیں۔ یا چاہیں گے تو میرا ناچیز مشورہ یہی ہوگا کہ اس بارے میں دونوں جانبوں سے میرے نزدیک مسلم لیگ کی جانب کو ترجیح ہے۔ لہذا شخصیات سے بے پروا ہو کر اس کے نامزد کردہ امیدوار کو ووٹ دینا چاہیئے۔ بلاشبہ لیگ اور اس کے قائدین نے اپنے نقطۂ نظر سے غلطیاں کی ہیں اس کا سبب جہاں ان لوگوں کی احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپروائی ہے وہیں ہمارے علماء مصلحین کی ان سے کنارہ کشی اور نبرد آزمائی بھی ہے۔ اگر قابل ترین علماء اپنے مذہبی اثرات کے ساتھ جو عامۂ مسلمین کے قلوب میں وہ اب بھی محسوس کرتے رہتے ہیں، لیگ کے نظام میں شریک رہتے۔ اور افہام و تفہیم نیز جمہور کی اخلاقی طاقت سے کام لے کر قائدین لیگ کی بے راہ روی کو دور، ان کی غلطیوں کو درست کرنے کی سعی پیہم کرتے تو قابلِ اعتراض چیزیں ختم یا بہت کم ہو جاتیں۔ کیا کانگریس

کے دائرہ میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مٹھی بھر مسلمان داخل ہوکر تو یہ امید کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہِ راست پر لے آئیں گے۔ لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے ایسی امید کے سب دروازے بند ہوچکے ہیں۔ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا مان لو کہ ایک نے وہ سب غلطیاں کی ہیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ مگر کیا ترکوں نے شرعی نقطۂ نگاہ سے اس سے کچھ کم غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ تاہم جب کبھی کوئی معاملہ ترکی سلطنت کا ہمارے سامنے آتا ہے تو ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام غلط کاریوں کے باوجود وہ کلمہ گو ہیں، مسلمان ہیں۔ اس لئے ہم ہر دوسری غیر اسلامی طاقت کے مقابلہ میں اس کی طرف جھکتے ہیں۔

* * *

مسلم لیگ مسلم جماعت

آج ہندوستان میں بھی مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے۔ اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے اِدھر جوں جوں اب عام مسلمان اس میں بکثرت شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں۔ پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مُرجح اور بے غبار ہے۔ اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکامیاب ہو گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچّا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سُنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے۔ یہ نام سُنکر کسی شخص کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیئے

کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافتِ راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا یا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لیئے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومتِ عادلہ قایم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے۔ جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔ کانگریسی ہندو اگر قومیت متحدہ کا نام لے کر یہ ارادہ رکھتے ہیں (جیسا کہ شملہ کانفرنس کے بعد صاف نظر آتا ہے) کہ خود غلام رہتے ہوئے مسلم قوم کو غلاموں کا غلام بنائے رکھیں تو یہ یاد رکھیئے کہ اب انشاءاللہ یہ آرزو پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مسلم قوم آزادیٔ کامل کے بلند بانگ دعاوی کے پس منظر کو بخوبی سمجھ چکی ہے۔ اب اس کو دوبارہ بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔

لا یلدغ المومن من جحرٍ مرتین

(منشور دہلی ۱۲؍نومبر ۱۹۴۵ء)

آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ

مسلم لیگ کی تائید میں زبردست اور متفقہ تجاویز

آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک۔ کلکتہ میں عظیم الشان پنڈال میں منعقد ہوئی جس میں پانچ سو سے اوپر علماء مشائخ تمام اطراف ہند سے جمع ہوئے پچاس ہزار سے اوپر مسلمان شریک ہوئے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی خلیفہ حکیم الامتہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی صدارت میں منجملہ دیگر تجاویز کے مندرجہ ذیل اہم قرار دادیں ۲۸؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کے اجلاس میں اتفاق رائے سے پاس ہوئیں۔

(۱)

امّت اسلامیہ کا انفراد و استقلال

”مؤتمر کُل ہند جمعیتہ علمآء اسلام (آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس اسلام کے اس بنیادی“ اساسی عقیدہ کا اور ہر مومن و مسلم کے اس قلبی یقین و اذعان کا اعلان کرتی ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایک مستقل، جداگانہ اور آزاد قومیت ہے اور جو کسی حال میں کسی دوسری قومیت یا دوسری قومی تہذیب کا جزو یا تابع نہیں ہو سکتی۔ بنابریں اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ دنیا میں درحقیقت دو ہی قوموں اور دو ہی ملتوں کا وجود ہے۔ ایک قومیت اسلامیہ جو دین و شریعت محمدیہ پر مؤسس ہے اور دوم قومیت غیر اسلام جو شریعت محمدیہ کی جامعیّت، کاملیّت، حاکمیت، اور خاتمیت کے انکار پر قائم ہے اور یہی مطلب ہے ”الکفر ملۃ واحدۃ“ اور ”انا لا نبی بعدی“ کی تعلیم نبوی کا۔ اور یہی مقصود ہے قرآن پاک کی آیت وکذالک جعلناکم امۃ

وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا ۔ وما جعلنا القبلۃ التی الخ کے نص قطعی کا، جو امت محمدیہ کو امۃ وسطا اور ساری انسانیت کے لئے نمونہ اور گواہ قرار دیتی ہے اور رسولؐ کو امت کے لئے نمونہ و گواہ قرار دیتی ہے اور جس کا مرکز قومیت و ملّت کے لئے ایک عالمگیر قبلہ، کعبہ مکرمہ کو قرار دیتی ہے ۔

مؤتمر کل ہند جمعیۃ علماء اسلام یہ اعلان کرتی ہے کہ دو قوموں کا نظریہ دراصل اسلام کا اعلان ہے اور کسی انسان کی ایجاد نہیں ہے ۔ بنا بریں یہ اجلاس دس کروڑ مسلمانانِ ہند کو دوسری غیر مسلم اقوام ہند کے مقابلہ میں ایک مستقل قومیّت یقین کرتا ہے ۔ لیکن ایسی قومیّت جس کی بنیاد اسلامی ملت اور اسلامی شریعتِ حقہ کے اصول پر قایم ہے ، نہ رنگ و نسل و وطن و مرزبوم یا کسی مادی اساس پر ۔

(۲) عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوت محمدی کا نصب العین

موتمر کل ہند جمعیتہ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس اعلان کرتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا سیاسی و دینی نصب العین عالمگیر خلافت اسلامی علیٰ منہاج نبوتِ محمدی کی تاسیس اور شریعت اسلامیہ کے نظام کا قیام ہے اور لازم و ضروری ہے کہ مسلمان انفرادی و اجتماعی طور پر اس نصب العین کو حاصل کرنے اور تاسیس خلافت کے ذریعہ عالم اسلام کی مرکزیت قائم کرنے کے لئے فی سبیل اللہ جدو جہد جاری رکھیں، موتمر اپنے اس ایمان کا اعلان کرتی ہے کہ عالم اسلام کیلئے اسکے سوا کوئی مفر نہیں ہے اور انسانیت کی نجات اسکے سوا ممکن نہیں ہے کہ خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج نبوت محمدیہ کی عالمگیر سلطنت و دستور اساسی دنیا میں قائم کیا جائے۔

(۳) پاکستان واحد راہ آزادی و استخلاص ہے موتمر کل ہند جمعیتہ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس ان مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے جس میں ملت اسلامیہ اس بر کوچک ہند میں گھری ہوئی ہے اعلان کرتا ہے کہ غلبۂ کفار

و استیلائے کفر سے نکلنے اور مسلمانوں کی آزادی و استخلاص اور دین و شریعت کی حفاظت و مدافعت کرنیکی عملی صورت یہی ہے کہ مسلمانانِ ہند، اکھنڈ بھارت اور آل انڈیا فیڈریشن کی سختی سے مخالفت کریں اور پاکستان و تقسیم ہندوستان کے مطالبہ کی جو آل انڈیا مسلم لیگ کی نمایندہ جمعیتہ المسلمین نے مسلم قوم کی طرف سے پیش کیا ہے پُرزور تائید کریں اور اسکے حاصل کرنے کیلئے تمام طاقتوں کو مسلم لیگ کے زیر ہدایت منظم کریں

(۴) آل انڈیا مسلم لیگ اور مسٹر محمد علی جناح کی خدمات جلیلہ کا پُر محبت اعتراف

آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس کا یہ اجلاس اُن خدمات جلیلہ کا پُر زور اعتراف کرتا ہے جو گذشتہ سالوں میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملّتِ اسلامیہ ہند کے ملّی انفراد و استقلال کو قایم کرنے اور مسلمانوں کو بہ حیثیت مسلمان ایک مستقل قوم کی حیثیت سے کھڑا کرنے اور استقلال اسلام کا اعلان کرنے کیلئے ساری قوم کو جمہوری اساس پر منظم کرنے اور مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں جدوجہد جاری کرنے کیلئے نہایت درجہ حوصلہ شکن حالات میں انجام دی ہیں۔ ملّت اسلامیہ کی تنظیم اور مدافعت اور اسکی استقلال کیلئے مسلم لیگ اور اسکی صدر محترم محبّ ملّت جناب محمد علی جناح کی یہ خدمات تاریخی حیثیت حاصل کر چکی ہیں اور یہ اجلاس ملّتِ اسلامیہ اور اسکے علماء

و مشائخ کی طرف سے انکی خدمت میں مخلصانہ شکریہ پیش کرتا ہے۔ انکو اپنی محبت و ہمدردی اور عملی تائید کا یقین دلاتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ انکی عمر، صحت، ایمان اور عزم میں برکت دے اور انکو زیادہ سے زیادہ ملت کی خدمت کی توفیق دے۔ **(۵) مسلم لیگ مسلم ہند کی نمایندہ ہے** آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کا یہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ کو ملتِ اسلامیہ ہند کی واحد نمایندہ سیاسی، قومی مجلس اور سیاسی ترجمان تسلیم کرتا ہے اور تمام برادران اسلام سے عموماً اور علماء و مشائخ سے خصوصاً درخواست کرتا ہے کہ وہ مسلم لیگ اور اسکے اصولِ حقہ کی ہر طرح تائید فرمائیں اور مسلمانوں کی اجتماعی و ملی آواز کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں۔ **(۶) انتخابات اسمبلی و کونسل میں مسلم لیگ کی تائید کرنا فرض ہے۔** موتمر کل ہند جمعیتہ علماء اسلام (آل انڈیا جمعیتہ علماء اسلام کانفرنس) کا یہ اجلاس تمام مسلمانوں خصوصاً جملہ مسلم رائے دہندگان (ووٹر) سے درخواست کرتا ہے کہ وہ آئندہ انتخابات اسمبلی و کونسل میں صرف ان امیدواران کی تائید فرمائیں اور ووٹ دیں جنکو مسلمانوں کی مسلمہ آل انڈیا سیاسی قومی مجلس آل انڈیا مسلم لیگ نامزد کرے گی۔ وہ کسی حال میں کسی ایسے شخص کی تائید نہ کریں جو مسلمانوں کی اس مسلمہ سیاسی و ملی جماعت مسلم لیگ کے ضبط و نظام کے خلاف خود آزادانہ یا کسی دوسری جماعت کی طرف سے کھڑا ہو گیا ہے۔ ایسا کرنا اتحادِ ملت، مفادِ امت، استقلال

اسلام اور مستقبل قوم کے مقاصد کے سخت خلاف ہے کیونکہ پاکستان کے سوال کا فیصلہ بڑی حد تک ان انتخابات کے نتائج پر منحصر و موقوف ہے۔

دستخط ظفر احمد عثمانی تھانوی صدر اجلاس

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا مدلّل و مُسکت جواب ۔ مولانا حسین احمد صاحب کا بے بنیاد و بے دلیل فتویٰ ۔

نئی دہلی ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء مولانا حسین احمد صاحب نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیتے اور قائدِ اعظم کو "کافرِ اعظم" کا لقب دیتے ہوئے حال میں جو فتویٰ دیا تھا اسکا مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے اپنے مکتوب میں جو دہلی کے ایک روزنامہ میں شائع ہوا ہے حسب ذیل جواب دیا ہے۔ مولانا موصوف مولانا حسین احمد صاحب کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ

"وہ مسلم لیگ کی شرکت کو احکام شریعت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے اسکے کیا دلائل شرعیہ پیش کئے ہیں۔ محض کسی عالم کے اتنا لکھ دینے سے کہ فلاں چیز ناجائز ہے دوسرے علماء کیسے ساکت ہو سکتے ہیں؟ دلائل سامنے ہوں تو اُن پر کہا جائیگا۔ مجھے تو عدم جواز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔ غلطیاں اور کوتاہیاں کس جماعت اور کس شخص سے نہیں ہوتیں۔ ہمارے بڑے سے بڑے مقدس ادارے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں لیکن یہ چیز اسکا سبب نہیں بن سکتی کہ ادارے میں شرکت ہی حرام ہو جائے درآنحالیکہ اسکے فوائد اور منافع اسکے مضار اور نقصانات سے زائد ہوں۔

مسلم قوم کی مستقل ہستی لیگ نے منوائی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر لیگ کے وجود سے اتنا کام ہو گیا کہ مسلم قوم کی مستقل ہستی اور اسکی غیر مخلوط صاف آواز پر انگریز اور ہندو دونوں کے نزدیک تسلیم ہو گئی اور تھوڑی سی مدت میں بدون بہت زیادہ نقصان کے تمام دنیا نے ہندوستان کے اندر ایک تیسری طاقت کے وجود کا اعتراف کر لیا۔ بلکہ لیگ اور کانگریس کو صلح یا جنگ کے ہر معاملہ میں ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کیا جانے لگا۔ تو کیا یہ فائدہ شرعی اور سیاسی نقطہ نظر سے کچھ کم ہے؟"

رہبر دکن حیدرآباد دکن
مورخہ ۲۹ر اکتوبر سنہ ۴۵ء

مکالمۃ الصدرین

یعنی

وہ تاریخی معرکۃ الآرا مکالمہ جو حضرت علامہ شبیر احمد صاحب
عثمانی صدر آل انڈیا جمعیۃ العلمائے اسلام
اور
حضرت مولٰینا حسین احمد صاحب مدنی صدر
جمعیۃ العلمائے ہند و دیگر اکابر جمعیۃ العلمائے ہند
کے درمیان بکم محرم سنہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء کو
بمقام دیوبند ہوا

ہاشمی بک ڈپو - لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکالمۃ الصدرین

یعنی

وہ معرکتہ الآرا گفت وشنید جو یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو حالاتِ حاضرہ پر بمقام دیوبند جانشین شیخ الہند امام المفسرین حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر کل ہند جمعیتہ العلمائے اسلام اور وفدِ اکابر جمعیتہ العلمائے ہند کے درمیان تقریباً سوا تین گھنٹہ جاری رہی جس سے ہر دو جماعت کے رجحانات قلبی و مکنوناتِ باطنی پوری طرح ایک دوسرے کے سامنے آگئے اور متلاشئ حق کے لئے جس گفت وشنید نے بہت سی آسانیاں پیدا کردیں ۔

پیش لفظ

۷ر دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء

وہ معرکۃ الآرا مکالمہ جو اس وقت ناظرین کے ہاتھوں میں ہے فی الحقیقت تمام مسلمانوں کیلئے ایک شمع ہدایت ہے جس سے بہ آسانی وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کا استقلال کس راستہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی جو اس وقت ہندوستان کے یگانۂ روزگار علماء میں سے ہیں اور جو جماعت دیوبند کے مسلّم اکابرین میں سے ہیں۔ ان کا تبحر علمی محتاج تشریح نہیں۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی معلومات سونے پر سہاگہ ہیں۔ حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ العلماء ہند کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے قلمبند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں توسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا۔ تاکہ

مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلمبند کر کے حرفاً حرفاً دکھلایا۔ اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا۔ یا اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کا مصدقہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے ذریعہ سے سیاسی پیچیدگیوں میں الجھے ہوئے مسلمانوں کو صاف اور روشن راستہ دکھلائے اور مسلمان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے سیاسی و قومی پلیٹ فارم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر کے دامے۔ درمے قدمے۔ سخنے مساعی ہوں۔

طاہر احمد القاسمی از آستانہ قاسمی دیوبند

۱۹ر محرم الحرام سنہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکالمۃ الصدرین

گفت و شنید کی ابتداء کیسے ہوئی؟

غالباً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند دہلی اپنی کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے تھے اس وقت وہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے دولت کدہ پر بھی بغرض عیادت و مزاج پرسی حاضر ہوئے۔ دورانِ مزاج پرسی میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے فرمایا کہ ہمیں کچھ آپ سے حالاتِ حاضرہ پر نیاز مندانہ گذارشات کرنی ہیں۔ مسئلہ پر شرعی حیثیت سے تو ہم آپ سے کیا گفتگو کرتے یہ درجہ تو ہمارا نہیں۔ البتہ کچھ واقعات ایسے بیان کرنے ہیں جن

کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ شائد وہ آپ کے علم میں نہ آئے ہوں۔ ممکن ہے کہ ان واقعات کو سنکر حضرت والا کی جو رائے قائم شدہ ہے اس میں تغیر ہو جائے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں گفتگو کے لئے ہر وقت حاضر ہوں جب دل چاہے تشریف لائیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادرزادہ علامہ عثمانی) کوئی اور تیسرے صاحب جو مناسب ہوں شریک ہونگے۔ اس کے بعد وہ ۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا دہلی سے ایک خط بذریعہ ڈاک بنام علامہ عثمانی موصول ہوا۔ جو بجنسہٖ درج ذیل ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خط بنام حضرت علامہ عثمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ندوۃ المصنفین دہلی
۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

ذوالمجد والکرم استاذی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ مزاج اقدس۔ کل دیوبند سے نو بجے صبح چلکر دہلی پہنچ گیا۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے شب میں گفتگو کے بعد معلوم ہوا کہ جمعیتہ العلماء ہند کی ایک خصوصی مجلسِ مشاورت وہ جمعرات کے روز دیوبند بلانا چاہتے ہیں۔ تاکہ جمعیتہ العلماء سے متعلق بعض اہم معاملات پر گفتگو ہو سکے۔ اس مشاورت میں غالباً حضرت مفتی صاحب (مولانا کفایت اللہ صاحب) مولانا احمد سعید صاحب بھی شرکت فرمائینگے۔

میں نے اپنے اُس معروضہ کے پیشِ نظر جو حضرتِ والا میں حاضر ہو کر پیش کیا تھا اب یہ مناسب سمجھا کہ مولینا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہونچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں اب میری یہ بھی سعی ہو گی کہ اکابر جمعیتہ العلماء بھی اس گفتگو میں حصہ لیں۔ تو اکابر علماء دیوبند کے سیاسی افکار کی یکجہتی میں انشاء اللہ بہت مدد ملے گی۔ اگر میری گذارشات منظور ہو گئیں تو جمعہ کے

دن آٹھ بجے یہ گفتگو آپ ہی کے دولت کدہ پر ہو جائے تو بہت بہتر۔ باقی اپنی مشاورت تو شب میں اور باقی دوسرے وقت میں بھی ہو سکتی ہے۔

خادم محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ

۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

اس پروگرام کے بموجب ۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء یوم جمعہ کو ساڑھے آٹھ بجے (۱) حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۲) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیۃ العلمائے ہند (۳) حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند (۴) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حال ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے ہند (۵) مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی (۶) مولانا عبد الحنان صاحب (۷) مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، علامہ عثمانی کے دولتکدہ پر تشریف لائے۔ علامہ عثمانی نہایت خندہ پیشانی کے

ساتھ ان حضرات سے ملے ۔ کچھ دیر مزاج پُرسی ہوتی رہی عیادت کے بعد چند منٹ مجلس پر سکوت طاری رہا ۔ یہ خاموشی غالباً اس لئے تھی کہ کون ابتدا کرے اور کس نوعیت سے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز ہو ۔

چونکہ علامہ عثمانی کو ابتدا کرنا مقصود نہ تھا اور یہ حضرات از خود تشریف لائے تھے ۔ اس لئے علامہ عثمانی بھی خاموش رہے ۔ آخر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مسائل حاضرہ پر گفتگو کی ابتدا کی ۔ اور ایک طویل تقریر فرمائی جو تقریباً پون گھنٹہ جاری رہی ۔ علامہ عثمانی برابر اس تقریر کو بغور سنتے رہے جب وہ تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزاء تو آپ کی لمبی چوڑی گفتگو کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کے جوابات بلا لحاظ ترتیب عرض کرونگا ۔ اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلاکر اس کا جواب مجھ سے لے سکتے ہیں ۔

اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹہ مسلسل جاری رہا۔ اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک رہے۔ کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے۔ لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا۔ کسی موقعہ پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔

علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی وہ بحث میں تو کیا حصہ لیتے اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح کا اظہارِ خیال نہیں فرمایا آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ

کلکتہ میں جمعیتہ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایمار سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیتہ العلمائے اسلام کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولینا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدہ دار سے ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیتہ العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیئے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ انکو کافی امداد اس مقصد کیلئے دے گی۔ چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لیئے منظور کرلی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی صاحب کے حوالہ بھی کردی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا

کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا آزاد سبحانی صاحب نے اس کے بعد کلکتہ میں جلسہ کیا۔ جلسہ میں جو کچھ انھوں نے بکواس کی وہ آپ کے علم میں ہے۔ ان کی تلوّن مزاجی بھی سب کو معلوم ہے۔ ایک زمانہ میں وہ گاندھی کیساتھ سایہ کے طرح رہتے تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ان کے خلاف ہو گئے۔ بہرحال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہو گیا۔ اور ایک ہندو اس کی جگہ آگیا۔ جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا۔ جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بے کار ہے۔ اس پر آئندہ کے لیے امداد بند ہو گئی۔ اسی ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پاکستان کی صورت میں جو نقصانات

اُن کے نزدیک تھے وہ ذرا بسط کے ساتھ بیان کئے اور دکھلایا کہ مسلمانوں کیلئے نظریۂ پاکستان سراسر مُضر ہے۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے کہ نمبروار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے۔ میں جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں اُن کے جوابات دونگا۔ اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں۔

علامہ عثمانی کا جواب

پہلے میں اس معاملہ کی نسبت گفتگو شروع کرتا ہوں جو آپ نے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ جو روایت آپ نے بیان کی میں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب۔ ممکن ہے کہ آپ صحیح کہتے ہوں۔ مجھے اس سے پہلے ہی بذریعہ ایک گمنام خط کے (جو دہلی سے ڈالا گیا تھا) یہی بتلایا گیا تھا اور مجھے بھی اس خط میں دھمکی دی گئی تھی۔ یہ

روایت صحیح ہو یا غلط۔ بہر حال میرے علم میں آ چکی ہے۔ لیکن اس روایت سے مجھ پر کیا اثر پڑ سکتا ہے اور میری رائے کیا متأثر ہو سکتی ہے۔ میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے جمعیتہ العلمائے اسلام میں آزاد سبحانی رہیں یا نہ رہیں۔ جمعیتہ العلمائے اسلام خود قائم رہے یا نہ رہے میری رائے جب بھی یہی رہے گی کہ مسلمانوں کیلئے پاکستان مفید ہے اگر میں تھوڑی دیر کے لئے اس روایت کو تسلیم بھی کر لوں کہ جمعیتہ العلماء اسلام گورنمنٹ کے ایماء سے قائم ہوئی ہے تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ کانگریس کی ابتدا کس نے کی تھی اور کس طرح ہوئی تھی؟ آپ کو معلوم ہے کہ ابتداءً اس کا قیام ایک وائسرائے کے اشارہ پر ہوا تھا۔ (اور برسوں وہ گورنمنٹ کی وفاداری کے راگ الاپتی رہی ہے۔ مرتب) بہت سی چیزوں کی ابتدا غلط ہوتی ہے۔ مگر انجام میں بسا اوقات وہی چیز سنبھل جایا کرتی ہے۔ ہم نے مولانا آزاد سبحانی یا

جمعیتہ العلمار اسلام کی وجہ سے مسلم لیگ کی تائید نہیں کی۔ بلکہ دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیئے۔ اور علمار امت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہیئے۔ عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اسی قسم کی باتیں اس کے حق میں مشتہر کی جاتی ہیں۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ اُن کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ اُن کو اس کا شُبہ بھی نہ گذرتا تھا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اُسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے

کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے اشارہ کر کے فرمایا کہ ان مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے آپ پوچھئے کہ معاملات دار العلوم کے سلسلہ میں دیوبند کے بعض پارٹی باز اشخاص نے ان کے سامنے نہایت قطعی الفاظ میں کیا یہ نہیں کہا تھا کہ وائسرائے کے دفتر میں ہم اپنی آنکھوں سے وہ چٹھی دیکھ کر آئے ہیں۔ جس کے ذریعہ مولانا مدنی کو شبیر احمد عثمانی نے گرفتار کرایا ہے (فلعنۃ اللہ علی الکاذبین) لیکن میں پوچھتا ہوں کیا اس میں ذرا بھی کوئی اصلیت ہے۔ اس پر مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے آنکھیں نیچی کر لیں اور خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات کے متعلق بھی عام طور پر مشہور کیا جاتا ہے کہ آپ ہندوؤں سے روپیہ لیکر کھاتے رہے ہیں کیا یہ صحیح چیزیں ہیں۔ اب ہمیں ان سب فضول سے بالکل علیحدہ رہ کر غور کرنا چاہیئے کہ کونسا راستہ اختیار کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ اور کس راستہ میں انکا نقصان

(قطع نظر اس سے کہ وہ بات، انگریز کے ایجنٹ کی زبان سے نکلے یا کوئی ہندو کا دلال کہے۔ مرتب)

لہذا میں مزید گفتگو سے پہلے تین چیزیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

گفتگو کا محور

پہلی چیز دریافت طلب یہ ہے کہ (۱) جو فارمولا جمعیۃ العلماء ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے اس فارمولا کو آپ حضرات نے کم از کم کانگریس سے منوا لیا ہے یا نہیں؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس کا جواب نفی میں دیتے ہوئے کچھ اعذار بیان کئے۔ علامہ عثمانی صاحب کو چونکہ ان اعذار سے کچھ بحث نہیں تھی اس لئے فرمایا کہ اعذار کچھ بھی ہوں میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا فارمولا کانگریس

نے تسلیم کرلیا ہے یا نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ اصول نہیں ہے کہ ہم جنگِ آزادی کی شرط کے طور پر ہندوؤں سے کوئی چیز منوالیں۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم کرنی ہے کہ آپ جو گفتگو اس وقت مجھ سے فرمانا چاہتے ہیں وہ کس تقدیر پر ہے آیا یہ فرض کرتے ہوئے کہ انگریزی حکومت ہندوستان سے چلی گئی ہے۔ یا جارہی ہے۔ یا یہ مان کر کہ ابھی وہ موجود ہے اور سر دست جا نہیں رہی۔ گویا جو کچھ لینا ہے اُسی سے لینا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ انگریزی حکومت ابھی ہندوستان میں موجود ہے اس کی موجودگی تسلیم کرتے ہوئے جو کچھ لینا ہے۔ اسی سے لینا ہوگا

(۳) تیسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ آپ حضرات جو انقلاب اس وقت چاہتے ہیں وہ فوجی انقلاب ہے یا آئینی۔ اس کا جواب دیا گیا کہ فوجی انقلاب کا تو اس وقت

کوئی موقع ہی نہیں۔ نہ فی الحال اس کا امکان ہے نہ اس کے وسائل مہیا ہیں۔ اس وقت تو آئینی انقلاب ہی زیرِ بحث ہے۔

علامہ عثمانی نے بحث کا رُخ معین کر لیا

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ بس، اب بحث کا رُخ متعین ہو گیا۔ اب کلام اس پر رہے گا کہ سرِدست انگریزی حکومت کی موجودگی کے باوجود آئینی انقلاب میں کون سا راستہ مسلمانوں کے لیے مفید ہے۔ آیا وہ راستہ جو جمعیۃ العلماء ہند نے تجویز کیا ہے۔ یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے۔

پاکستان کے نقصانات کا اظہار وفد جمعیۃ العلماء ہند کی طرف سے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی طویل تقریر میں فرمایا کہ پاکستان قائم ہونے میں مسلمانوں کا سراسر نقصان اور

ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ۵۴ فیصدی ہے۔ فلاں صوبہ میں اس قدر۔ فلاں میں اتنی۔ اور آسام میں اکثریت نہ دوسروں کی ہے۔ ہر جگہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے کسی طرح بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ اور بہت ہی تھوڑی اکثریت کچھ نہ کر سکے گی۔ بلکہ ہمیشہ معرض خطر میں رہے گی۔ اُدھر مسٹر جناح یہ کہہ ہی چکے ہیں کہ پاکستان میں جمہوری طرز کی حکومت ہو گی۔ ایسی شکل میں ظاہر ہے مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہو گا۔ بلکہ تنظیم۔ دولت اور تعلیم وغیرہ میں پست ہونے کی وجہ سے ۵۳ فی صدی مسلمانوں کی اکثریت ۴۷ فی صدی غیر مسلم اقلیت ہی کے عملاً تابع و محکوم رہے گی۔ سکھ نہایت جنگجو قوم ہے وہ کسی طرح بھی پاکستان قائم نہ رہنے دے گی۔ اُدھر جاٹوں کی قوم ہے وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔

پاکستان ہر ہر صوبے کا جدا جدا بنیگا یا تمام مسلم صوبوں کا ملکر پاکستان ایک ہوگا

اس موقعہ پر مسٹر عثمانی نے پوچھا کہ کیا آپ کے نزدیک پاکستان کا مطالبہ کرنے والے صوبہ وار چھ پاکستان بنانا چاہتے ہیں یا تمام مسلم اکثریت والے صوبوں کا ایک پاکستان مطلوب ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں پاکستان تو ایک ہی بنانا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا تب صوبجاتی اعداد و شمار کی گفتگو اس موقع پر بیکار ہے۔

جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کے فارمولا کے جدا جدا نتائج

مولانا عثمانی نے فرمایا تو اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے؟ مولانا حفظ الرحمن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر

مسلم تین کروڑ ہوں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں انکو پورے تین کروڑ فرض کر لیا جائے۔ اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم و غیر مسلم کے درمیان ہوگی اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ ۶۰ اور چالیس ۴۰ کی نسبت ہوگی۔ یعنی مسلمان ساٹھ ۶۰ فی صدی اور غیر مسلم چالیس ۴۰ فی صدی ہوں گے۔ (حالانکہ اس صورت میں مجموعہ میں مسلمان واقعتہً ستر فی صدی اور غیر مسلم تیس ۳۰ فیصدی ہوتے ہیں۔)

حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب

اور

وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی

مگر علامہ عثمانی نے اس وقت اس سے بھی اغماض کر کے اور انکے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پہ یہ کلام فرمایا۔

آپ نے فرمایا کہ اب آپ اپنے فارمولا پر نظر ڈالیے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے تو آپ کے فارمولا کی رو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فی صدی دیگر اقلیتیں ہونگی اس طرح سے آپ کے فارمولا کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فی صدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فی صدی ہوئی۔ اور مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں (بقول آپ کے یہی نسبت علی العکس رہے گی یعنی) ساٹھ فی صدی مسلمان اور چالیس فی صدی غیر مسلم ہوں گے (حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فی صدی اور تیس فی صدی کا ہوتا ہے) اب آپ ہی انصاف سے فرمائیے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہونچا (ہم اگر ساٹھ فی صدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو چالیس فی صدی میں کیا کر سکیں گے)

(نوٹ۔ جمعیۃ العلماء کے فارمولا میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے

مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کیلئے قبول نہیں کی جائے گی۔ اس شرط سے کسی درجہ میں ضرر امور کا تدارک تو ہو سکتا ہے لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید امور ہوں ان کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فی صدی ہوگی۔ ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کے رحم و کرم پر رہیں گی۔ اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی مسئلہ کون سا ہے اکثریت ہی طے کرے گی)

اس موقع پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائینگے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور جب جمعیۃ العلماء ہند کا (مقدس) فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی (گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں اور) مسلمانوں کے سائیڈ میں شمار کئے جانے

لگتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ غیر مسلم سب کے سب بہر صورت ایک ہی شمار ہونگے۔ (الکفر ملتہ واحدۃ) اور خالص مسلمانوں کو ان سب کے مقابل رکھکر مسئلہ پر غور کرنا چاہیئے۔ وفد جمعیتہ العلماء نے آخر کار اس کو تسلیم کر لیا۔

اگر پاکستان ہندوؤں کیلئے مفید ہے تو وہ اسکی مخالفت کیلئے اسقدر مضطرب کیوں ہے؟

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ دعویٰ کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر مسلمانوں کا نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں۔ کہ ہندو پاکستان سے پھر کیوں اس درجہ مضطرب وخائف اور اس کی انتہائی مخالفت پر تلا ہوا ہے۔ کیا آپ باور کر سکتے ہیں کہ ہندو پاکستان کی مخالفت محض اس لئے کر رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان ہے اور وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا نقصان دیکھنے کو تیار نہیں ان کا تو اعلان یہ ہے کہ جو جماعت یا جو شخص

١٣٧٠٩

بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف کھڑا ہو گا کانگریس اسکی ہر طرح امداد کرے گی۔

(اس وعدہ کا تعلق کسی خاص شخص سے نہیں کانگریس کے پورے ادارے سے ہے) اور ان کا قول ہے کہ پاکستان ہماری لائنوں پر ہی بن سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر یہ پرزور اور انتہائی مخالفت کیوں ہے۔ اس کے جواب میں مولینا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس کی جو کچھ بھی مصلحت ہو آخر آپ حضرات نے بھی کچھ غور کیا کہ وہ مصلحت کیا ہو سکتی ہے میرے نزدیک تو اس کی مخالفت کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انگریز کی حکومت تو مردست اوپر قائم ہے جیسے آپ خود شروع میں تسلیم کر چکے ہیں۔ ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی کی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی

گردن پر سے بھی ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اُترنے نہ پائے اور اس طرح مسلمان ہمیشہ انگریز اور ہندو کی ڈبل غلامی میں باختیار خود پسنے رہیں۔

علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا مگر اُدھر سے کوئی شافی جواب ہاتھ نہ آیا۔ اس کے بعد جمعیۃ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کہا گیا کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لئے معاہدات ہوں گے ان ہی معاہدات کے ماتحت مسلم اقلیت ان کے ہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہے گی۔ اور ہر ایک کا ہاتھ ایک دوسرے کے تلے دبا رہے گا۔ آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب نے موضوع گفتگو بدل کر کہا۔

علی گڈھ کالج پر اتہام

اجی حضرت یہ علی گڈھ کے نیچری، علماء کے وقار کے دشمن ہیں۔ یہ لوگ اگر مسلمانوں کے رہنما بن گئے تو دین کو برباد کر دینگے۔ علماء کو مٹا دینگے۔ اسی سلسلہ میں ان بدتمیزیوں کا بھی ذکر کیا گیا جو بعض مقامات میں مولانا حسین احمد صاحب کے ساتھ کی گئی تھیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی کہا کہ مسلم لیگ راجاؤں نوابوں۔ خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے۔ سر فیروز خاں نون کے متعلق فرمایا کہ وہ حکومت کے اشارہ سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں اور وہ کھلے طور پر سرکاری آدمی ہیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ سر فیروز خان نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا۔ آپ جو چاہے کہیں لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آسکتے یا کسی قیمت پر خریدے جاسکتے ہیں۔

مولانا احمد سعید صاحب کے اس کہنے پر کہ علی گڈھ کے

تعلیم یافتہ اور دوسرے بعض فرقے علماء کا اقتدار مٹانا اور دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو مشکلات ہوئیں۔ ان کا حل آپ کے ذہن میں کیا ہے وہ بھی تو فرمایئے۔ اس پر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کچھ خاموشی سی طاری ہو گئی۔ پھر وفد کی طرف سے کہا گیا کہ حضرت آپ ہی فرمائیں کیا حل ہے۔ حضرت علامہ نے فرمایا کہ یہ خوب رہی مشکلات تو بیان فرمائیں آپ اور حل بتاؤں میں۔ آخر آپ نے بھی تو کچھ اس کا حل سوچا ہو گا۔

علماء کی مشکلات کا حل علامہ عثمانی کی طرف سے

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اچھا لیجئے میں ہی اس کا حل عرض کرتا ہوں۔ میرے نزدیک اس کا حل صرف ایک ہے اور وہ یہ ہی کہ آپ سب حضرات مل کر مسلم لیگ میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کریں۔ اور ایک دو مہینے دورہ کر کے تین چار لاکھ دو آنہ والے ممبر مسلم لیگ کے بھرتی کرائیں۔ جب ہمارے

ہم خیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہوجائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کیلئے ہو گی بہ آسانی بروئے کار لا سکیں گے۔ کیا ہمارا اثر عوام پر اتنا بھی نہیں کہ ہم دو چار لاکھ ممبران بھرتی کرا سکیں۔ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ آپ حضرات کے ساتھ مل کر اس کام میں حصہ لوں میرے نزدیک تو اصلاح کی یہ ہی بہترین شکل ہے۔ اس پر مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ یہ تو صحیح لیکن جب ہم لوگ ایسا کرینگے تو یہ راجے مہاراجے نواب اور سر مسلم لیگ سے علیحدہ ہو کر دوسری مسلم لیگ بنا لیں گے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اگر وہ نئی مسلم لیگ بنا ہی لیں گے تو اس سے کیا ہو گا۔ عوام کی طاقت تو ہمارے ہی ساتھ رہے گی۔ (سر شفیع مرحوم نے بھی تو ایک زمانہ میں شفیع لیگ بنائی تھی لیکن اس کا حشر کیا ہوا۔ جب شفیع صاحب رحلت کر گئے ان ہی کے ساتھ ان کی لیگ بھی ختم ہو گئی اور رابطۂ عوام وہ کبھی بھی پیدا نہ کر سکے۔)

رہا ان بدتمیزیوں کا قصہ جو آپ کے ساتھ ہوئیں اس کے

متعلق آپ کو معلوم ہے کہ میں نے جو پیغام جمعیۃ العلماء اسلام کے اجلاس کلکتہ کے موقعہ پر بھیجا تھا اس میں صاف طور سے لکھدیا تھا کہ یہ بڑے درجہ کی شقاوت وحماقت ہے کہ قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم کہا جائے یا مولانا حسین احمد وغیرہ کے ساتھ کوئی ناشائستہ سلوک کیا جائے۔

انگریزی خواں طلباء کی شکایت سے پہلے طلباءِ دار العلوم دیوبند کی اصلاح کیجئے

اس موقعہ پر مجھے ایک بات کہنی پڑتی ہے وہ یہ کہ جن انگریزی خواں طلباء کے رویہ کی آپ شکایت فرما رہے ہیں وہ نہ تو آپ کے مرید ہیں نہ شاگرد۔ نہ اُنھوں نے کسی دینی ماحول میں تربیت پائی ہے (اور سمجھتے یہ ہیں کہ آپ مسلم قوم کو ہندوؤں کی دائمی غلامی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں) اسکے بالمقابل جو عربی مدارس کے طلباء آپ کے شاگرد، آپکے مرید اور دینی ماحول بلکہ مرکز دین و اخلاق میں تربیت پانے والے

ہیں ذرا اُدھر بھی تو دیکھئے کہ اُنھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابوجہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دارالعلوم کے تمام مدرسین، مہتمم اور مفتی سمیت (باستثنا ایک دو کے) بالواسطہ یا بلاواسطہ مجھ سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔ دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اُٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کی نظر پڑ جاتی تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جاتیں۔ کیا آپ میں سے کسی نے بھی اس پر ملامت کا کوئی جملہ کہا۔ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان کمینہ حرکات پر خوش ہوتے تھے۔

"حریت" اخبار دہلی آج کل جو میری ذاتیات پر نہایت رکیک مضامین لکھ رہا ہے کیا آپ حضرات میں سے کسی

نے اس پر بیزاری کا اظہار کیا۔ اس پر سب کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی تھیں۔

مولانا احمد سعید صاحب نے اتنا فرمایا کہ اجی حضرت عزیز حسن بقائی تو ہمیشہ اسی قسم کی بے ہودہ بکواس کیا کرتا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں۔

علامہ عثمانی نے فرمایا اس وقت تو وہ آپ کی حمایت اور ہمنوائی میں سب کچھ کہہ رہا ہے۔ گو مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایک زمانہ میں اس نے آپ صاحبان کو بھی بُری طرح مجروح کیا تھا۔ لیکن دکھلانا صرف یہ ہے کہ آپ حضرات نے کبھی اس قسم کی چیزوں سے جو ہمارے متعلق کہی گئیں۔ اظہار بیزاری نہیں کیا نہ کسی پر ملامت کی۔ ہم نے تو یہ کیا کہ ہم موقع ملنے پر ایسے امور سے پوری قوت کے ساتھ اظہار بیزاری کرتے رہے۔

* * *

فرقِ عمل

محلہ کسرول مراد آباد کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مولانا حسین احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب آپ کے نزدیک محض ذاتی مفاد کے لئے ہندوؤں کا ساتھ دے رہے ہیں یا ان کا اتباع بے دینی اور کفر ہے یا وہ اپنے استاد کے مسلک سے ہٹ گئے ہیں؟

میں نے جواب میں لکھا کہ میرے حاشیۂ خیال میں ہی یہ نہیں آسکتا کہ یہ حضرات محض ذاتی مفاد کے لئے ایسا کریں وہ اپنے نزدیک جو حق سمجھتے ہیں کر رہے ہیں۔ اور اسی کو اپنے استاد کا مسلک سمجھتے ہیں۔ باقی یہ لازم نہیں کہ جو اُن کا خیال ہے وہ واقع میں صحیح ہو۔ نہ اُن کی تقلید دوسروں پر واجب ہے۔ امور مذکورہ کا تذکرہ میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مجھے کوئی انتقام لینا مقصود نہیں ہے میں

تو بہر صورت ایسے امور کو برا سمجھتا ہوں۔ دکھلانا صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنی بساط کے موافق اس قسم کے امور کو رد کرنے کی ہمیشہ سعی کی۔

مولانا مدنیؒ کا پاکستان کے خلاف ایک استدلال
اور
علامہ عثمانیؒ کی طرف سے اس کا مسکت جواب

آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔ یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا۔ جس میں اس نے ہندوستان کی سیاسیات پر بحث کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کو اس کا ایک حل بتلایا تھا۔ اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور بمبئی کے بجائے کراچی کو تجارت کا مرکز بنایا جائے۔ گویا اس مضمون کو

سُنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اسی انگریز کی تجویز پر مبنی ہے۔ اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے۔

اسی دوران میں ہو

مولانا احمد سعید کا ایک سوال اور اسکا جواب

مولانا احمد سعید صاحب نے سوال کیا کہ انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنے کی ہے یا جمع کرنے کی۔ یعنی اس کا فائدہ کس جانب میں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم جو فاروقی حکومت چاہتے ہیں۔ انگریز کے لئے مہلک ہے اور آپ جو تقسیم ہند چاہتے ہیں یہ صورت حکومت کے لئے مفید و معین ہے

علامہ عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک آپ کے سوال کا ایک جواب نہیں ہوسکتا۔ یعنی آپ کے سوال کے جواب میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انگریز کا فائدہ ہمیشہ ٹکڑے کرنے میں ہے یا نہیں۔ میرا جواب یہ ہے کہ کبھی انگریز کا

فائدہ ٹکڑے کرنے میں اور کبھی جمع کرنے میں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک حالیہ نظیر ملاحظہ فرمائیے برطانیہ نے ٹرکی اور عرب کے ٹکڑے ٹکڑے کئے۔ عراق، شام، لبنان، نجد، یمن سب کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں منقسم کر دیا۔

ایک وقت میں یہ پالیسی تھی۔ اب جو عرب لیگ قائم ہو رہی ہے جس میں تمام عربوں کو روس کے خطرے سے انگریز متحد کرنا اور ان سب کا ایک بلاک بنانا چاہتا ہے کیا یہ بھی آپ کے نزدیک انگریز کے اشارہ سے نہیں ہو رہا جس کا منشاء یہ ہے کہ تمام عرب ممالک کی ایک آہنی دیوار بنا دی جائے۔ اس کو وفد نے تسلیم کیا کہ بیشک۔

علامہ عثمانیؒ نے فرمایا کہ پھر یہ کہنا صحیح نہیں کہ انگریز کی تو پالیسی ہمیشہ ٹکڑے کرنا ہے۔ معلوم ہوا کہ کبھی اس کی پالیسی جمع کرنے کی بھی ہوتی ہے۔ اب ہمیں تو یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ ہمارا فائدہ کس صورت میں ہے۔ خواہ اس میں حکومت کا فائدہ ہو یا نقصان۔ ظاہر ہے کہ ہندو یا مسلمان کسی کے

مقابلہ میں بھی گورنمنٹ اپنے مفاد کو بہ اختیار خود نظر انداز نہیں کر سکتی۔

نظریۂ پاکستان کانگریس اور حکومت دونوں کے نظریوں کے مخالف ہے

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ مولانا حسین احمد صاحب نے جو ایک انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا یہ ایک انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے جو اب سے چودہ برس پہلے پیش کی گئی تھی۔ لیکن حکومت برطانیہ کا سب سے بڑا نمایندہ وائسرائے ہند لارڈ ویول جو ہندوستان میں اس وقت حکمراں ہے اس نے اپنی تقریروں میں بہ برملا کہا ہے کہ اس ملک کا مرکز اور اس کی حکومت ایک ہی رہنی چاہیئے۔ اس ملک پر کوئی بڑا عمل جراحی نہیں ہو سکتا۔ پہلی مرتبہ یہ تقریر کلکتہ کے کامرس چیمبر میں کی۔ دوسری مرتبہ یہیں لیجسلیچر میں یہی مضمون ادا کیا۔ اور ابھی دو تین ماہ ہوئے کہ راولپنڈی کے دورے

کسی حالت اور کسی وقت میں بھی ہندوؤں کی احتیاج سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ ان کے بدوں کبھی کوئی کام کر سکتے ہیں (یہ بات کم از کم شیر دل بہادروں کو زیب نہیں دیتی جو کہتے ہیں کہ ذرا انگریز سے آزادی مل جائے پھر ہم ہندو وغیرہ کسی سے نہیں ڈرتے)۔

نیز آپ دیکھتے ہیں کہ معاہدات ہی کی طاقت تھی کہ روس اور برطانیہ نے مل کر جرمن اور جاپان کو کس طرح پیس ڈالا۔ کیونکہ تینوں کی غرض مشترک تھی۔ پاکستان اور ہندوستان کا مفاد جب مشترک ہوگا تو دونوں بذریعہ معاہدات عملی اتحاد کیوں نہیں کر سکتے۔ (گو قومی اتحاد نہ ہو نہ سہی)۔

موجودہ الیکشن میں علامہ عثمانی کی حمایت لیگ کی کیا وجہ ہے؟

اس موقع پر مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے علامہ عثمانی سے کہا کہ آپ تو ہمیشہ سیاسیات سے یکسو رہا کرتے تھے۔ اس الیکشن میں کیا داعیہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے آپ

نے شرکت فرمائی۔

حضرت علامہ نے فرمایا کہ اس الیکشن کی نوعیت پچھلے الیکشنوں سے بالکل مختلف ہے۔ حکومت نے صاف لفظوں میں اس کا اعلان کر دیا ہے کہ اس مرتبہ منتخب ہونے والی اسمبلیاں ہی آئندہ ہندوستان کا مستقل دستور بنائیں گی چونکہ اس الیکشن سے قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ وابستہ تھا اس بنا پر میں نے ضروری سمجھا کہ اس بنیادی موقع پر ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جو استقلال ملت اور مسلم حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے یہ کیا کہا کہ میں سیاسیات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہوں۔ گذشتہ چند سالوں کو چھوڑ دیجئے اس سے پیشتر جمعیتہ العلماء ہند میں ہماری بھی تو کچھ ناچیز خدمات رہی ہیں۔ ہم نے بھی تو کچھ معرکے سر کئے ہیں۔ ادھر آپ حضرات طوفانی دورہ کر رہے تھے جس سے میرے نزدیک مسلمانوں کا نقصان تھا۔ تو ظاہر تھا کہ ایسے موقع پر میں سکوت کیسے باقی رکھ سکتا تھا۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

ان وجوہ سے میں نے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی۔

(پھر علامہ عثمانی نے یکایک کوئی اعلان نہیں فرمایا بلکہ مہینوں پاکستان کے نظریہ پر شرعی و سیاسی حیثیت سے انتہائی غور و تعمق کیا۔ جب کلکتہ کے اجلاس کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام میں اپنا پیغام بھیجا تو استخارہ بھی فرمایا۔ مکمل بصیرت اور شرح صدر کے بعد یہ اقدام فرمایا گیا۔ مرتب)

اس کے بعد علامہ عثمانی نے فرمایا کہ پھر میرا اثر ہی کیا ہے ہندوستان میں اگر میری اپیل پر بیچارے نوابزادہ لیاقت علیخاں کو دس بیس ووٹ مل ہی گئے تو کیا ہوا۔ آپ حضرات تو ماشاء اللہ بااثر ہیں۔ (موجودہ پروپیگنڈے کی طاقتیں آپ کے ساتھ ہیں) میں تو اب آپ میں ایک اچھوت کی حیثیت رکھتا ہوں۔ کسی نے کہا نہیں یہ بات نہیں آپ کے اعلانات نے ملک میں ہل چل ڈال دی ہے۔

علامہ عثمانی سے سکوت کی درخواست

مولانا احمد سعید صاحب نے فرمایا کہ بہر حال یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں احتمال خطا کا دونوں طرف ہے۔ مگر آپ تو اس قوت سے بیان دے رہے ہیں کہ اپنے مخالفوں کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑتے۔ ذرا کچھ تو نرمی اختیار فرمائیں۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ حضرات تو ماشاء اللہ سب اہل علم ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب احناف و شوافع وغیرہ کے باہمی اختلافی مسائل کی تقریریں آپ اور ہم کرتے ہیں۔ تو باوجودیکہ سب آئمۂ ہدیٰ ہیں۔ لیکن ہم میں سے کون اپنے مذہب کی تصویب و تائید میں کسر اٹھا رکھتا ہے اور حنفی مذہب کو ترجیح دیتے ہوئے شافعی یا مالک یا احمد کے لئے اپنے زعم میں کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا ہے۔ اس پر سب ہنسنے لگے علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا تو وہی خیال ہے جو فقہائے کرام نے مقلد کے عقیدے کی نسبت لکھا ہے کہ

اپنا امام جو مسئلہ بیان کرتے اس کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے صواب یحتمل الخطاء (یعنی جو ہمارے امام نے مسئلہ بیان کیا وہ صحیح اور درست ہے۔ ہاں اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے امام نے جو کہا۔ خطاء و یحتمل الصواب یعنی وہ خطا ہے گو اس میں احتمال ثواب کا بھی قائم ہے کیونکہ معصوم ان میں سے کوئی نہیں۔ آخر میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ جمعیتہ العلماء اسلام محض ہماری جمعیتہ کے مقابلہ میں اس کو توڑنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔ مناسب ہوگا کہ آپ کم از کم اس کی صدارت قبول نہ فرمائیں علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے ابھی صدارت کے قبول و عدم قبول کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے۔ لیکن کل کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کرونگا۔

نوٹ۔ لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند جمعیتہ العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرمایا ہے (فللہ الحمد۔ مرتب)

جب یہ حضرات علامہ عثمانی سے رخصت ہونے لگے۔ مولانا احمد سعید صاحب نے دریافت فرمایا کہ آپ کو حضور نظام نے حیدرآباد بھی تو بلایا تھا آپ حیدرآباد کب تشریف لیجائینگے۔ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ میں نے حضور نظام کو لکھا ہے کہ ابھی دو تین ماہ تک مجھے یہاں بغرض علاج قیام کرنا ہے۔ سردی کم ہوتے پر اگر اجازت ہو تو حیدرآباد آؤں۔ اب حضور نظام پر موقوف ہے کہ اگر اسکے باوجود انہوں نے مجھے طلب فرمایا تو مجھ کو بہرحال جانا پڑیگا۔ اور اگر اجازت دے دی تو ٹھہر جاؤں گا۔

(الحمدللہ اس تحریر کے مرتب کرتے وقت ہی حضور نظام کے چیف سیکریٹری کا تار بنام علامہ عثمانی پہونچ گیا کہ آپکو فروری تک قیام کی اجازت ہے۔ مرتب)

چلتے چلتے وفد کا منشاء یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو تحریرات آپکی شائع ہو چکی ہیں وہ بیان مسئلہ کے لئے کافی ہیں۔ اب اگر یکسوئی اختیار کرلی جائے تو کیا بہتر نہ ہوگا۔ لیکن علامہ عثمانی نے فرمایا کہ جس چیز کو میں حق سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں میرے لئے سکوت کیسے مناسب تھا

اسکے بعد وفد رخصت ہو گیا۔ یہ تمام گفتگو نہایت خوشگوار فضا میں ہوئی۔ کسی موقع پر بھی بحمد اللہ ادنیٰ تلخی پیدا نہ ہوئی۔ جب یہ تاریخی مجلس برخاست ہونے لگی تو علامہ عثمانی نے اپنے یہاں آنیوالے علماء کے احترام میں اتنا فرمایا کہ یہ سلسلہ گفتگو آخری سلسلہ نہیں ہے، پھر جب چاہیں گفتگو کر سکتے ہیں۔ جانبین کو موقع غور وفکر کا حاصل ہے اب تک کی صورت حال یہ ہے کہ آپ اپنی جگہ قائم ہیں اور میں اپنی جگہ پر رہا۔ اسکے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ شرعی حیثیت سے مسائل حاضرہ پر جمعیتہ العلماء ہند کے وفد کی طرف سے کوئی کلام نہیں ہوا۔

غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہونگی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متاثر کر دینگے۔ شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے۔ لیکن اس مکالمہ سے غالباً ان پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ علامہ عثمانی کی معلومات شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی حذاقت بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلہ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح سے منقح کیا کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی تنقیح مسئلہ کے اس انداز پر عش عش کرتے ہیں۔ مرتبہ یہ مکالمہ مصدقہ و مرقومہ علامہ عثمانی ہے۔